Marfat.com

Marfat.com

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۱۵۷

پس جو لوگ اس (اَلنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ) پر ایمان لائیں گے اور اسکے مشن
کے راستے کی مخالفتوں اور مزاحمتوں میں اسکا دفاع اور امداد کریں گے
اور (پھر اس طرح) وہ اس **روشنی** کے پیچھے پیچھے چلیں گے
جو اس (محمدؐ) کے واسطے سے نازل ہوگی تو صرف انہی لوگوں کو
کامیابیاں و کامرانیاں حاصل ہوں گی

روشنی مینار

مرتب

قاضی محمد کفایت اللہ (ایم۔ اے)

پیشکش

تحریکِ تعمیرِ انسانیت

۱۶۔ بی کپورتھلہ ہاؤس لیک روڈ پرانی انارکلی لاہور
فون ۶۲۰۵۵

26633

نام کتاب ۔ . . . . . روشنی کے مینار

مرتب . . . . . قاضی محمد کفایت اللہ (ایم اے)

ناشر . . . . . تحریک تعمیر انسانیت

مطبع ۔ . . . . . المطبعۃ العربیۃ۔ پرانی انارکلی لاہور

اشاعت . . . . . بار اوّل

تعداد . . . . . ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت . . . . . آٹھ روپے (۸/=)

Marfat.com

فہرست

نام مضمون	صفحہ نمبر
انتساب	۴
پیش لفظ	۵
پس منظرِ تحریک	۷
تعارفِ تحریکِ تعمیرِ انسانیت	۱۷
قرآن اور عقل	۳۵
تعارفِ رسولؐ بزبانِ قرآن	۵۳
تعارفِ قرآن بزبانِ قرآن	۸۴
مقصدِ نزولِ قرآن	۱۰۵

Marfat.com

انتساب

یہ چند صفحات حکیم الاُمّت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی ذات سے منتسب کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گرانقدر خطباتِ مدراس میں قرآنِ حکیم کی ترجمانی فرما کر ملّت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا ہے:۔

— قاضی محمد کفایت اللہ (ایم اے) —

علامہ کے خطباتِ مدراس کا ایک عظیم اقتباس

THE QUESTION WHICH CONFRONTS HIM TO-DAY AND WHICH IS LIKELY TO CONFRONT OTHER MUSLIM COUNTRIES IN THE NEAR FUTURE IS WHETHER THE LAW OF ISLAM IS CAPABLE OF EVOLUTION — A QUESTION WHICH WILL REQUIRE GREAT INTELLECTUAL EFFORT, AND IS SURE TO BE ANSWERED IN THE AFFIRMATIVE; PROVIDED THE WORLD OF ISLAM APPROACHES IT IN THE SPIRIT OF OMAR — THE FIRST CRITICAL AND INDEPENDENT MIND IN ISLAM WHO, AT THE LAST MOMENTS OF THE PROPHET, HAD THE MORAL COURAGE TO UTTER THESE REMARKABLE WORDS: 'THE BOOK OF GOD IS SUFFICIENT FOR US'. (RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM.) P: 162

مفہوم "وہ سوال جو آج صرف ترکوں کے سامنے ہے۔ مگر جو عنقریب تمام عالم اسلام کو پیش آنے والا ہے وہ یہ ہے کہ "کیا قانونِ اسلام ارتقاء کے قابل ہے؟" یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جسکا جواب دینے کیلئے بے پناہ ذہنی کدوکاوش کی ضرورت ہے اور اسکا جواب اِثبات میں دیا جا سکتا ہے (یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاں قانونِ اسلام قابلِ ارتقاء ہے) بشرطیکہ عالمِ اسلام اس حضرتِ عمرؓ کی روح و بصیرت سے فیضیاب ہو کر اس کا حل تلاش کرے، جو اسلام میں پہلا تنقیدی اور آزاد و خود مختار ذہن تھا۔ جس میں اتنی اخلاقی جرأت و جسارت تھی کہ اس نے آنحضورؐ کی زندگی کے آخری لمحات میں یہ یادگار اور تاریخی الفاظ اپنی زبان سے دہرائے تھے کہ (حَسْبُنَا کِتٰبُ اللّٰہِ) ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب (القرآن العظیم) کافی و وافی ہے"

Marfat.com

ENTERED

پیش لفظ

یہ وہ مقالات ہیں جو اس سے قبل وقتاً فوقتاً تحریک تعمیرِ انسانیت کی جانب سے کتابچوں کی صورت میں شائع کئے جاتے رہے ہیں۔ اب احبابِ تحریک کے پُرزور مطالبے اور اصرار پر انہیں ایک کتابی مجموعہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ان مقالات کے عنوانات پر تحریک تعمیرِ انسانیت کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے مختلف اجتماعات میں محترم قاضی محمد کفایت اللہ صاحب ایم اے ہمارے معزز سامعین سے خطاب بھی فرما چکے ہیں۔ اور محترم قاضی صاحب ان کے بارے میں ذہن میں اُبھرنے والے سوالات و استفسارات کے جوابات بھی انہی پبلک جلسوں میں دے چکے ہیں لیکن چونکہ کتابچوں کی نسبت مستقل تصانیف کی حیثیت و افادیت زیادہ دیرپا، زیادہ مؤثر اور زیادہ مستند ہوتی ہے۔ لہٰذا ارکانِ تحریک کے باہمی صلاح و مشورے کے بعد اس امر کا فیصلہ کیا گیا کہ ان مقالات کو "روشنی کے مینار" کے نام سے شائع کروا دیا جائے۔ احباب کی خواہش کے احترام کے نتیجے میں یہ مجموعہ تحریک کی جانب سے ان مقالات کی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان بصیرت افروز مقالات کو پڑھ کر یقیناً مستفید ہوں گے اور آپ کی قرآنِ حکیم کے بارے میں طلب و تجسس کو پورا کرنے کے لئے یہ مجموعہ مقالات ایک مفید ذریعہ ثابت ہوگا۔

Marfat.com

آخر میں، میں آپ سے نہایت مخلصانہ اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ کا دل ان افکار و تصورات کی صداقت کی گواہی دے، تو آپ بھی تحریک تعمیر انسانیت سے وابستگی اختیار فرمائیں، تاکہ ہم سب مل کر قرآنی مشن کی تکمیل و ادائیگی کر سکیں۔

والسلام

نیازمند

شیخ محمد شفیع

جنرل سیکرٹری

تحریک تعمیر انسانیت لاہور

مملکتِ پاکستان کی اہم خصوصیت

مؤسسِ پاکستان حضرت قائدِ اعظمؒ قرآنی مملکت کے امتیازی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمنٹ کی نہ کسی شخص یا ادارے کی، دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآنی اصول و احکام کی حکومت ہے۔" (کراچی ۱۹۴۸ء)

Marfat.com

پس منظرِ تحریک

قارئینِ محترم!

سلام و رحمت

یہ مجموعہ مقالات جس تحریک کے توسط سے آپ تک پہنچ رہا ہے اس کا مفصل تعارف تو اگلے صفحات میں آپ کے سامنے آ رہا ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس تحریک کی ابتداء کے بارے میں کچھ امور گوش گزار کر دیئے جائیں۔

چند سال ادھر کی بات ہے کہ ہم چند ایک دوستوں نے مل کر ملّت اسلامیہ کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کے بارے میں غور و خوض کرنا شروع کیا۔ اس سے یہ حقیقت ہم پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ملّت کے عروج و اقبال کا اُس کے سوا اور کوئی سبب نہ تھا کہ وہ قرآنِ حکیم کی کامل طور پر حامل اور صحیح معنی میں اس پر عامل تھی، اور اس کے زوال و انتشار کا سبب بھی صرف یہی ہے کہ اس کے ہاں غیر قرآنی افکار و اعمال نے قرآن حکیم کی جگہ لے لی ہے۔ قلب مسلمہ پر قرآن حکیم کی حکمرانی ہونے کی بجائے کئی ایک خانوادگی افکار و تصوّرات کی بڑی ہی مضبوط گرفت ہے۔ اس صورتِ احوال کو دیکھ کر ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم اپنے دل و دماغ اور جسم و جان کی تمام تر قوتیں مسلمانوں کو دعوتِ قرآن دینے کے لئے وقف کر دیں گے۔ اس کے لئے ہم نے اپنے قریب ترین ماحول میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں سے رابطہ قائم کیا۔ گھروں پر ان سے ملاقاتیں کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس انفرادی رابطہ سے ہم جب چند افراد کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئے تو ہم نے اس کام کو اجتماعی طور پر انجام دینے کے لئے مل کر کام کرنے کا پروگرام بنایا۔

ہمیں اپنے ماضی کے مطالعے اور حال کے جائزے سے اس حقیقت کا کامل طور پر یقین ہو گیا کہ ہم انفرادی و اجتماعی ہر دو پہلوؤں سے مسلمانی کی زندگی قرآن حکیم کے بغیر نہیں گزار سکتے۔ اسلامی زندگی، اسلامی معاشرہ اور انسانی فلاح و بہبود کا نصب العین بدون قرآنی علم و حکمت کے فروغ و توسیع کے شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ جیسے جیسے اس خیال کی جڑیں ہمارے دل و دماغ میں مستحکم ہوتی گئیں، ہمارے اس احساس نے اپنے اظہار کے لئے اپنا راستہ بنانا شروع کر دیا۔ نتیجتاً ہم نے اپنے آپ کو اس امر پر بالکل مجبور و بے بس پایا کہ قرآنِ خالص کی طرف (علی الاعلان) عام منادی کی جائے۔ اس طرح ہم نے اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۲۶/۲۱۴ ★ کے تحت اپنے قریب ترین رشتہ داروں، دوستوں، رفیقوں اور محلے داروں سے قرآنِ خالص کی تعلیم و تبلیغ کے لئے ربط و تعلق بڑھانا شروع کر دیا۔ اپنے قریب ترین ماحول میں بسنے والے مسلمانوں سے جب فرداً فرداً رابطہ قائم کیا گیا اور اس طرح جب انہیں قرآنی فکر و فلسفہ سے وابستگی اور اس وابستگی سے پیدا ہونے والے فرائض و واجبات کی جانب دعوت دی گئی۔ تو اس کے بڑے ہی حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوئے۔

اب اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ اس ارشادِ خداوندی کی طرف بھرپور توجہ دی جائے کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۳/۲۰۰

اے ایمان لانے والو اس دعوتِ قرآنِ خالص پر پامردی و استقلال سے جم جاؤ اور جمے رہو (اِصْبِرُوْا) اور پھر دوسروں کو بھی اس خالص قرآنی دعوت پر جمنے اور جمے رہنے میں سہارا اور مدد دو (صَابِرُوْا) ایک دوسرے سے ربط و تعلق کو مضبوط و مستحکم کرو (رَابِطُوْا) ایسا کر کے اپنے اندر متقیوں کے لازمی اوصاف

★ آپ اپنے عزیز ترین رشتہ داروں اور قریب ترین لواحقین کو (قرآنِ حکیم کے ذریعے) غلط عقائد و اعمال کے تباہ کن نتائج و ثمرات سے خبردار کریں۔

پیدا کرو (وَاتَّقُوا اللّٰہَ) تاکہ قرآنی ہدایت کے نصب العین کو پاسکو کیونکہ قرآنِ حکیم تو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (۲/۲) ہے۔ اور تم ایسا کر کے ہی حقیقی معنی میں فوز و فلاح حاصل کر سکتے ہو (لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ)

اب اس صبر، مصابرت اور رابطہ باہمی کو حاصل کرنے کے لئے ایک مربوط اور منظم پروگرام بنانے اور اس قرآنی نصب العین کو یقینی و حتمی انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا سوال پیدا ہوا۔ تو آہستہ آہستہ ذہنوں میں یہ بات گھومنے لگی کہ اس کے لئے اجتماعی جدوجہد برپا کرنے کے لئے اجتماعی صورت میں کام کیا جانا چاہیئے لیکن اس اجتماعی جدوجہد کی شکل و صورت کیا ہو۔ اس کا نام کیا رکھا جائے اور اس جدوجہد کا رُخ اور سمت کیا ہو؟ دعوت کا زاویۂ نگاہ اور لائحہ عمل کیا ہو؟

ان سوالات پر احباب مسلسل غور و خوض کرتے رہے۔ آخر الامر یہ طے پایا کہ

اس اجتماعی جدوجہد کو مذہبی فرقہ واریت کے تعصبات و رجحانات سے بچانے کیلئے اور اپنے آپ کو حدود و فرقہ وارانہ ذہن کی نفسیات سے محفوظ رکھنے کے لئے قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کا کام عام انسانی بنیادوں پر کیا جانا چاہیئے۔ اور تمام انسانیت تک قرآن کو پہنچانے کے لئے اپنی اس جدوجہد کو پوری انسانیت کے حوالے سے رُخ اور سمت عطا کرنی چاہیئے

اس تسویح اور غور و فکر کے نتیجے میں تحریک تعمیرِ انسانیت کا نام، اجتماعی فیصلے سے طے کیا گیا۔ تحریک تعمیرِ انسانیت ظاہر ہے کہ تین الفاظ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ان میں سے ہر ایک لفظ ایک خاص معنویت کا حامل ہے۔ بہتر ہوگا کہ اس کی طرف الگ الگ عنوانات کے تحت اشارات کر دیئے جائیں۔

تحریک کا لفظ

تحریک کا لفظ ایک جانا پہچانا لفظ ہے۔ یہ لفظ اپنے پیچھے ایک مربوط و منظم علمی روایت رکھتا ہے۔ اس علمی و فکری روایت

ثقافتی و تمدّنی ورثے اور تاریخی و عمرانی پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے تحریک تعمیرِ انسانیت کے بانی ارکان نے اس لفظِ تحریک کو اختیار کیا ہے۔

اور ہم نے یہ لفظ، یہ بتانے کیلئے بھی اختیار کیا ہے کہ ہماری یہ تحریک کسی جامد و متعصب ذہنیت یا گروہ بندانہ و فرقہ وارانہ رجحانات کی پیداوار نہیں ہے بلکہ یہ ایک تحریک ہے جس کے لئے متبادل لفظ انگریزی زبان میں (MOVEMENT) ہے۔ جس سے عملِ مسلسل، سعیِ دوام اور حرکت و حرارت پیہم کا مفہوم خود بخود اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ گویا ہم نے یہ لفظ اس لئے اختیار کیا ہے کہ ہم کسی مخصوص فرقے سے وابستہ نہ سمجھے جائیں کیونکہ قرآنِ حکیم نے فرقہ بازی اور تفرقہ آرائی کو شرک قرار دیا ہے۔ اور فرقوں میں تقسیم ہو جانے والے اور اس طرح انسانیت کو الگ الگ متحارب و متخاصم گروہوں میں تقسیم کرنے والے، افکار و افراد، تنظیمات اور ادارے ہمارے نزدیک کتاب اللہ (القرآن) کے فیصلے کی رُو سے مشرک ہیں۔ لہٰذا مومن بالقرآن ہونے کے ناطے سے ہمارا ایسے افکار و افراد سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، نہ ہی ہو سکتا ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے اور اس مقصد و مدّعا کو واضح طور پر ظاہر کرنے کے لئے ہم نے اپنے لئے ایک غیر مذہبی لفظ "تحریک" اختیار کیا ہے۔

تعمیر کا لفظ

اِس میں تعمیر کا لفظ تعمیرِ نَو (RECONSTRUCTION) یا تشکیلِ نَو (REMAKING) کے متبادل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس میں تعمیر و تشکیلِ نَو سے مراد یہ ہے کہ یہ تحریک قرآنی علوم و حکمت کی بنیاد پر علوم و افکارِ حاضرہ کا جائزہ لے گی! اس معیارِ سماوی کی بنیاد پر علوم و افکارِ حاضرہ پر نقد و تنقید، جرح و تعدیل اور تبصرہ و محاکمہ کرے گی، کھرے اور کھوٹے کا امتیاز بتائیگی کھرے اور خالص علوم و افکار کو قرآنِ حکیم کے نُور و ہدایت کے طفیل اور زیادہ ضیاء بخشے گی اور ان کے انسانیت کے لئے نافع ہونے کے، قرآنی دلائل و شواہد کا گرانبہا اضافہ کرے گی۔

Marfat.com

انفعیّت

تاکہ اِس طرح ان علوم و افکار کو زیادہ سے زیادہ اس کائنات میں قیام و بقاء حاصل ہو اور انسانیّت زیادہ سے زیادہ ان تعمیری و حیات پرور افکار و خیالات سے فیضیاب ہو سکے۔ کیونکہ افکار و اقوام کے قیام و بقا کا دار و مدار ان کے انفع (زیادہ منفعت بخش) ہونے پر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :-

اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ۱۳/۱۷

اس کائنات میں بقاء و دوام صرف اِسی نظامِ فکر کو حاصل ہوتا ہے جس میں (کفر و ایمان کے امتیاز کے بغیر) زیادہ سے زیادہ افرادِ انسانیّت کے لئے نفع بخشی پائی جائے

فرقانیّت

اور یہ سب کچھ ہم اس لئے بھی کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے کھوٹے ناقص اور جھوٹے فکر و فلسفہ کا جھوٹ، کھوٹ اور نقص بھی عقلِ عامّہ (COMMON SENSE) اور وحیِ رحمٰن (قرآنِ حکیم) ہر دو کی بنیاد پر فیصلہ کُن انداز میں نکھر کر واضح ہو کر انسانیّت کے سامنے آجائے۔ تاکہ اس طرح قرآنِ حکیم کا پوری نوعِ انسانی اور تمام انسانی نظام ہائے افکار کے لئے فرقان ہونا واضح ہو جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے :-

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۲۵/۱

بابرکت ہے وہ ذات (اللہ تعالیٰ) جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر الفرقان (القرآن الحکیم) نازل کیا تاکہ وہ تمام اقوامِ عالم کو غلط افکار و ایمان کے منفی و تخریبی نتائج و ثمرات سے باخبر کر سکے۔

اس طرح قرآنِ حکیم نے تمام اقوامِ عالم کی تہذیبوں ثقافتوں اور مذہبوں کے مختلف پہلوؤں پر جو حاکمہ کیا ہے اور ان کے صالح اور سقیم پہلوؤں میں جو فرق و امتیاز

Marfat.com

ابھارا ہے اس کی ہم عمومی اور بین الاقوامی تبلیغ واشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ قرآن حکیم کا فرقانِ عالمینی ہونا بدرجہ اتم ظاہر ہو سکے۔

قومی موت وحیات

تاکہ اس طرح اقوام کے سلسلہ میں جس موت وحیات کو قرآن بیان کرتا ہے اور پھر جس طرح وہ دلائل وبیّنات سے حیات اور ان کے اعراض وانکار سے موت مراد لیتا ہے ان پہلوؤں کا دلائل وبیّنات کے حوالے سے تمام انسانیت کے سامنے عقل وبصیرت کی رو سے اظہار ہو جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۸/۴۲

"تاکہ جو تباہ وبرباد ہونا چاہے وہ بھی دلیل وبرہان کی رُو سے ہو اور جو زندہ رہنا چاہے اس کے پاس بھی زندہ رہنے کے لئے دلیل وبرہان ہو"

گویا قرآن حکیم موت وحیات کا فیصلہ دلائل وبراھین سے کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح اس نے اپنے انذار کو بھی زندوں ہی سے وابستہ کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے

لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا ۳۶/۷۰

"تاکہ یہ قرآن ان کو آگاہ وبیدار کر سکے جو زندہ رہنا چاہتے ہیں"

نیز ہم تعمیر کا لفظ آبادی وآبادکاری، سرسبزی وشادابی کے معنیٰ میں استعمال کر رہے ہیں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۹/۱۸

"مراکزِ الٰہیہ تو صرف انہیں افراد کی نصرت وامداد، توجہ اور معاونت سے آباد اور سرسبز وشاداب رہ سکتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور قانونِ مکافاتِ عمل پر زندہ اور طاقت ور ایمان رکھتے ہوں"

اور اس طرح ہم انسانیت کے سامنے قرآنِ حکیم کے فلاحِ انسانیت کے

نصب العین اور پروگرام کو رکھنا چاہتے ہیں (اس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے)

انسانیت کا لفظ

انسانیت کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ قرآن حکیم کا دورِ حاضرہ میں جملہ انسانیت کے نام جو پیغام ہے اور پوری انسانیت کو قرآن حکیم جو فکر و فلسفہ عطا کرنا چاہتا ہے اور اسی طرح جس نظام و منہاجِ عمل کی طرف قرآن حکیم دعوت دینا چاہتا ہے، ان امور کی حقیقت ظاہر ہو کیونکہ ہم اپنے غور و فکر کے دوران اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ قرآنِ حکیم صرف ہم (رسمی و نسلی) مسلمانوں ہی کے لئے نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مخاطب تو تمام انسانیت ہے۔

قرآن، ہادیٔ انسانیت

جیسا کہ اس نے پوری انسانیت کے لئے ہادی ہونے اور ہدایت کے پہلو سے پوری نوعِ انسانی سے اپنے ربط و تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۲/۱۸۵

رمضان ہی کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں وہ قرآن نازل ہوا ہے جو پوری نوعِ انسانی کو اس کی منزلِ مراد و غایتِ وجود اور اس غایتِ وجود کو پانے کے مکمل و کامل پروگرام اور لائحہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے (هُدًى لِّلنَّاسِ) اور پھر صرف راہنمائی ہی نہیں دیتا بلکہ اس راہنمائی کے واقعی راہنمائی ہونے کے لئے دلائل، بیّنات اور شواہد و حقائق کا انبار لگا دینے والا ہے (بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى) یہ قرآن صرف راہنمائی ہی کرنے والا نہیں اس راہنمائی کے واحد، حتمی، یقینی اور قطعی ہونے کے دعویٰ کو کامل طور پر، دو ٹوک انداز میں اُبھارنے، نکھارنے اور واضح کر دینے والا ہے (وَالْفُرْقَانِ)

Marfat.com

رسالتِ عالمینی

اِسی چیز کے پیشِ نظر رسولِ محترم کو تمام عالمِ انسانیت کو خطاب کرنے اور ہدایتِ قرآن کی طرف دعوت دینے کا حکم نازل ہوا۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ۷/۱۵۸

"اعلان کر دو کہ اے تمام کے تمام انسانو! میں تم سب کی طرف خدا تعالیٰ کی جانب سے اس کا پیغام و پروگرام پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں"

انذارِ عالمینی

اسی طرح قرآنِ حکیم میں انذارِ* عالمینی کے پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ قرآن تمام عالمِ بشریت کے لئے نذیر ہے۔ جیسا کہ اس کا اپنا ارشاد ہے:

نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ (۷۴/۳۶) یہ تمام عالمِ بشریت کو فرائض و واجبات سے آگاہ کرنے اور ان سے عہدہ برا نہ ہونے کے بُرے نتائج و عواقب سے آگاہ کرنے والا ہے اس طرح آنحضورؐ کے تمام نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر ہونے کے پہلو کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۳۴/۲۸

"(اے رسولِ محترم) ہم نے آپؐ کو تمام کی تمام انسانیت کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

یعنی تمام عالمِ انسانیت کو اس کی غایتِ وجود کو پانے کے پروگرام اور یقینی و قطعی لائحۂ عمل اور اس لائحۂ عمل پر چلنے کے مثبت و تعمیری نتائج و ثمرات کی بشارت

---

* اس نکتہ کی مزید وضاحت آپ کو تعارفِ تحریکِ تعمیرِ انسانیت کے صفحہ ۱۹ پر زیرِ عنوان نذیرِ عالمینی ملے گی۔

دینے والا (بشیر) اور اس نصب العین اور مقصود کو ترک کر کے یا ضد و عناد میں مبتلا ہو کر مخالف و متضاد نصب العین کو اپنا کر جو تباہی و وبال اور بربادی و خسران نازل ہو گا اس سے قبل از وقت خبردار کرنے والا (نذیر)

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم کا پورے عالم انسانیت کو جو خطاب ہے اور اسی طرح آنحضورؐ کی جو بین الاقوامی رسالت اور بعثت ہے اس کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے کا وقت بہت قریب آن پہنچا ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ درج ذیل آیاتِ جلیلہ کے اندر پائے جانے والے مضمرات اور دعاوی کے پورا ہونے میں اب کوئی دیر نہیں لگے گی۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۴۸/۲۸

وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے اس دینِ حق (قرآن حکیم) کو تمام جنسِ دین پر غالب کر دے۔ بیشک اس دعوے کے لئے اللہ تعالیٰ کی شہادت کفایت کرتی ہے۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۹/۳۲

وہ مخالفین قرآن چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور (قرآن حکیم) کو اپنے مونہوں کے زور سے بجھا دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اس بات پر اصرار ہے کہ وہ اپنے اس قرآن کے نور کو ضرور پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا اگرچہ کافروں کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

Marfat.com

ہمارا ایمان ہے کہ قرآنِ حکیم کے تمام مثبت و منفی دعوے اس دور میں محسوس و مرئی طور پر ایک امرِ واقعہ بن کر تمام عالمِ انسانیت کے سامنے آجائیں گے۔

خدا ہمارے ساتھ ہو۔

میاں عبدالخالق مالواڈہ

صدرِ تحریک

وارکانِ تحریکِ تعمیرِ انسانیت

تعارف

تحریکِ تعمیرِ انسانیّت

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۴/۱۷۵

اے لوگو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے
اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے

Marfat.com

انذارِ عالمینی

تحریک کے بانی ارکان اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ قرآن حکیم صرف مسلمانوں ہی کے لئے بطور ضابطہ ہدایت نازل نہیں ہوا بلکہ یہ تمام اقوامِ عالم کے لئے بھی نذیر و راہنما ہے جیسا کہ اس کا اپنا اعلان ہے :۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۲۵/۱

بابرکت ہے وہ ذات (اللہ تعالیٰ) جس نے اپنے بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر الفرقان (قرآن) نازل کیا تاکہ وہ تمام اقوامِ عالم کے لئے نذیر ہو۔

یعنی قرآن حکیم کا نذیر للعالمین ہونے کا اعلان ہے اور پھر وہ اپنے اس فریضۂ انذار میں اپنے مخاطب کو صرف مسلمانوں تک محدود نہیں کرتا بلکہ وہ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۷۴/۳۶ یعنی تمام عالم بشریت کے لئے نذیر ہونے کا اعلان کرتا ہے اس طرح صرف مسلمانوں ہی کو وہ خوابِ غفلت سے بیدار نہیں کرتا بلکہ تمام عالم انسانیت کو بیدار و چوکنا کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔

انذار بالقرآن

پھر اسی موضوع کے بارے میں یہ ارشاد ربانی بھی ہے :۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۶/۱۹

یعنی میری طرف یہ قرآن اسی مقصد اور ضرورت کیلئے وحی کیا گیا ہے کہ میں تمہیں بیدار اور چوکنا کروں۔ فرائض و واجبات سے آگاہ کروں۔ کوتاہیوں اور خرابیوں سے باخبر کروں اور انھیں بھی جن جن تک یہ قرآن پہنچے۔

قرآن حکیم گویا کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمعصر افراد ہی کے لئے نذیر نہیں بلکہ

اس کا انذار بعد والے افراد اور انسانوں کو بھی محیط ہے۔

وحدتِ نوعِ آدم

"قرآنِ حکیم اسی نقطۂ نظر اور زاویہ نگاہ کا علمبردار ہے کہ انجام کار نوعِ انسانی میں وحدت "قائم ہو کر رہیگی تمام انسان ایک کنبہ بنیں گے ان کا ایک رب۔ ایک رسول اور ایک کتاب ہو گی۔ نوعِ آدم کا آخر الامر وحدت میں عملاً قائم ہو جانا ہی وہ پیش نہاد یا نصب العین ہے جس کے پیشِ نظر۔ ہر ہر قریہ اور ہر ہر قوم میں رسول بھیجنے کا سابقہ طریق کار اگلا ارتقائی مرحلہ آجانے کی وجہ سے روک دیا گیا تاکہ اس طرح وحدتِ آدم کو مزید تفریق سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ ارشادِ ربانی ہے :۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ ۲۵ / ۵۱-۵۲

اگر ہماری مشیّت کا تقاضا ہوتا تو ہم ہر ہر بستی میں ایک نذیر بپا کر دیتے (لیکن ایسا کرنا ہماری مشیّت کا تقاضا نہیں) لہذا اس حقیقت کے نہ ماننے والوں کی آپ بات نہ مانیں اور ان کو قائل کرنے کے لئے، انہیں اپنا ہمنوا و ہمزبان بنانے کے لئے اس قرآنِ حکیم ہی کے ذریعے سے بہت بڑا جہاد کریں۔

گویا کہ ہر ہر بستی یا ہر ہر قوم میں نذیر کا مبعوث ہونا مشیّتِ خداوندی کے خلاف ہے۔ مشیّتِ ربانی اب یہی ہے کہ نذیرِ عالمین اب اپنا کام کرے اور اس طرح گویا وحدتِ آدم کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو جو نامعلوم زمانے سے انسانیت کے بہی خواہوں اور مصلحوں نے دیکھا تھا۔ اس آیت پیشِ نظر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اب قومیتوں کو اساس بنانے کا زمانہ لد چکا ہے اب ارتقاءِ بشر جس منزل کو اپنا نصب العین بنا چکا ہے اور جس کی طرف وہ تیزی سے آمادۂ سفر ہو چکا ہے۔ وہ وحدتِ قوم یا بین الاقوامی

Marfat.com

اجتماع ہے انسانیت کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کر کے اور انہیں چھوٹے چھوٹے نعروں میں اُلجھا کر خون خرابہ کرنے کے منصوبے نوعِ آدم کے آخری نصب العین سے بے وفائی کے مترادف ہیں۔ پھر یہ آیتِ جلیلہ اس امر کی بھی واضح نشاندہی کرتی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنی دعوت کو منوانے اور اس کے لئے ابنائے نوع کو قائل کرنے کا ذریعہ یا وسیلہ قرآنِ حکیم ہی ہے گویا اسلام آخری معرکہ کو قرآنِ حکیم کے آلات و اسلحے کے زور سے سر کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کو وہ اتنا جاندار اور طاقتور اسلحہ سمجھتا ہے کہ اس کے زور سے یہ آخری معرکہ یقیناً سر کر لیا جائے گا اور باطل اور طاغوتی فکر آخر الامر قرآنی علوم و فلسفہ کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور اس طرح شر کی قوتوں کو بھی سر اٹھانے کا جو موقعہ ملا ہوا ہے وہ بھی اپنی غایت کو پورا کر چکنے کی وجہ سے ختم ہو جائے گا۔

اُمّتِ مُسلمہ کا وظیفہ

تمسک بالقرآن

تحریک کے بانی ارکان کا ایمان ہے کہ قرآنِ حکیم سے بین الاقوامی انذار کا وظیفہ اب ان مسلمانوں سے وابستہ ہے جو اپنے آپ کو اُمّتِ محمدیہ کے افراد سمجھتے ہیں اور وہ عند اللہ اور عند الناس اس وظیفہ کی تکمیل و ادائیگی کے سلسلہ میں لازماً جوابدہ ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:-

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ
وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ٤٣ / ٤٣-٤٤

بڑی مضبوطی، ثابت قدمی اور پامردی سے قائم جائیں اور جمے رہیں، اس کتاب اللہ پر جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ بے شک ایسا کرنے میں آپ صراطِ مستقیم پر ہیں اور بے شک یہ کتاب اللہ [illegible] اور

Marfat.com

آپؐ کی قوم کیلئے بھی باعثِ شرف و مجد ہے اور تم سب اس سلسلہ میں ضرور پوچھے جاؤ گے۔

اسی چیز کے پیشِ نظر ہمارا ایمان ہے کہ کتاب اللہ سے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ وابستہ کر لینا ہی صراطِ مستقیم ہے یہی طرزِ عمل اُمّت کے لئے باعثِ شرف و مجد ہے اور یہ اُمّت اللہ تعالےٰ کے ہاں اس امر کی جوابدہ ہے کہ اس نے کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑا یا اسے نسیاً منسیاً کر دیا تو ہم اُمّتِ مُسلمہ کو اس کی کامل فلاح و بہبود اور عزّت و ناموس کے پیشِ نظر یہ دعوت دیں گے اور دیتے ہی رہیں گے کہ وہ کتاب اللہ کے بارے میں اپنی ذمّہ داری اور جوابدہی کا نہ صرف احساس کرے بلکہ اس سے عہدہ برا ہونے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرے اور ہر ممکن وسیلہ سے کام لے۔

مہجوریٔ قرآن

اس سلسلہ میں ہم اُمّتِ محمدیہ کو ایک اہم حقیقت کی جانب نشاندہی کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اسے یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن کی قرآنِ حکیم کے بارے میں اپنی مسئولیّت اور ذمّہ داری کا احساس کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس احساسِ ذمّہ داری پر اس کی کامیابی و کامرانی کا دارومدار ہے۔ آنحضرتؐ کی رفاقت و معیّت کا آخرت میں شرف بھی وہ صرف قرآنِ حکیم سے کاملاً وابستگی ہی سے حاصل کر سکتی ہے اور قرآنِ حکیم سے ربط و تعلق کو چھوڑ کر یا اسے ادھورا رکھ کے یا اس میں اور عقیدتوں کی پیوند کاری کر کے وہ اپنے لئے بہت بڑا خطرہ مول لے رہی ہے

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ

26633

Marfat.com

قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۲۵ ۔ ۳۰ ۔ ۲۷

وہ دن جب ظالم اپنے ہاتھ کاٹ رہا ہوگا کہے گا کہ اے کاش
کہ میں رسول کی معیت میں خدائی راستے کو اختیار کئے رہتا۔ اے
کاش کہ میں فلاں کو اپنا خلیل نہ بناتا بے شک اس نے مجھے اس
ذکر سے دور کر دیا۔ جو کہ میرے پاس پہنچ گیا تھا اور شیطان
انسان کے لئے بڑا ہی ذلیل کرنے والا ہے (اس پر) رسول خدا
کہیں گے اے میرے پروردگار میری قوم نے قرآن حکیم کو ترک
کر دیا تھا۔

تو گویا کہ عدالت خداوندی میں یہ رسول خدا کا وہ استغاثہ ہے جو امت کے ان افراد کے خلاف ہوگا جنہوں نے قرآن حکیم کو بھلا دیا ہے۔ اسے چھوڑا ہوا ہے۔ ہمارا درد [illegible] کیا ہوا ہے۔ اس کی حاکمیت پر اور چند دلوں کی حاکمیت قائم کر کے اسے [illegible] بنا دیا ہوا ہے۔ ہم ایک ایک فرد امت کو اس کی اخروی جوابدہی سے [illegible] آگاہ کر کے اس کی کامیابی و کامرانی کا فکری اہتمام کرنا چاہتے ہیں۔

کتاب اللہ سے بُعد اور اس کا تدارک

تحریک تا یہ بھی [illegible] امت مسلمہ میں [illegible] طرح کی فرقہ بندیاں پیدا ہو چکی ہیں اور جس طرح امت اختلاف و افتراق کے باعث زوال و ادبار میں گرفتار ہے۔ اس کا باعث کتاب اللہ سے بُعد و دوری ہے۔ [illegible] کے نزدیک اس کا علاج بھی اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ امت قرآن حکیم کے نسخہ شفاء کو سمجھے۔ اسے استعمال میں لا کر اپنے آپ کو ہر پہلو سے صحت یاب بنائے اور اس طرح اپنے لئے وہ باوقار مقام دوبارہ حاصل کرے جس کی بنیاد پر وہ اقوام عالم کی امامت و پیشوائی کا فریضہ بااحسن طور انجام دے سکتی ہے۔ ارشاد [illegible]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ
وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

اے انسانوں تمہارے پاس تمہاری ربوبیت ونشو ونما کرنے والے
خدا کی جانب سے نصیحت آچکی اور وہ ربانی چیز بھی جو تمہارے دل اور
دماغ کے تمام روگوں اور مرضوں سے ہے کامل شفاء ہے اور جماعت
مومنین کے لئے اس میں کامل طور پر ہدایت و رحمت بھی ہے۔

تو گویا خدا تعالیٰ کے تجویز فرمودہ نسخۂ شفاء کو استعمال نہ کرنے یا غلط استعمال کرنے یا استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ بدپرہیزی کرتے رہنے سے دل و دماغ مریض ہو جاتے ہیں۔ جب افرادِ اُمت کے دلوں اور دماغوں میں بگاڑ یا مرض پیدا ہوتا ہے تو پورا جسمِ ملت بیمار پڑ جاتا ہے۔

صحت یابیٔ ملّت کیونکر

ہمارا ایمان ہے کہ ملّت کے صحتیاب ہوسکنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ مُسلمان اپنے خدائی نسخۂ شفاء کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اسے کھولے، پڑھے۔ اسے سمجھے اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کی سعی و کوشش شروع کر دے۔ ہمارا حال یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم قرآن حکیم کے اس نسخۂ شفاء کو گلے میں باندھ لیں۔ پانی میں پکا کر پی لیں یا اس کے تعویذات بنا کر اپنی کمروں میں باندھے پھریں یا اسے ریشمی غلافوں میں بند کر کے خوبصورت طاقچوں کی زینت بنا لیں۔ ایسا کرنے کی صورت میں ہم مقامِ انسانیت سے گر کر حیوانوں کی سطح پر آ جائیں گے۔ کتاب اللہ کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے کی صورت میں ہمارا حال نزول

کتاب اللہ کے "حاملین"

قرآن کے وقت کے یہود عوام اور علماء کا سا ہو جائے گا جن کے بارے میں قرآنِ حکیم کا اپنا ارشاد یوں ہے:-

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۶۲/۵

ان لوگوں کی حالت کہ جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی مگر انھوں نے کبھی بھی اپنے اختیار و ارادہ سے اسے اٹھانے اور نبھانے کی کوشش نہیں کی، ان گدھوں کی سی ہے جو اپنی پشتوں پر کتابیں لادے پھرتے ہیں۔ اس قوم یا گروہ کی حالت انتہائی بُری ہے جو ایسا کر کے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ظالم قوم کو منزل تک نہیں پہنچایا کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہو جانا اور اس طرح خود بخود آپ کو قرآن سے وابستہ سمجھنا اور مرتے دم تک اس خوش فہمی میں مبتلا رہنا لیکن نہ تو کتاب اللہ کو ہاتھ لگانا نہ اس کے حقائق کو سمجھنا اور نہ سمجھنے والوں کے پاس جانا، نہ ان کی ضرورت محسوس کرنا، اپنے آپ کو مقامِ انسانیت سے گرا کر حیوان بنا لینا ہے اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنا ہے۔ ایسا کرنا ظلم ہے۔ اور جب تک اُمتِ مسلمہ اپنے آپ کو اس ظلم سے پاک صاف نہیں کر لیتی وہ خدا کی نگاہ سے مقامِ عزت پر فائز نہیں ہو سکتی۔ ہمارا ایمان ہے اُمتِ مسلمہ سے اس خرابی کو صرف تدبر اور تفکر ہی کے ذریعہ دُور کیا جا سکتا ہے۔

دعوتِ تفکر

ہمارا اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد سے پُر زور مطالبہ ہے کہ وہ جس حیثیت میں بھی ہے اور جہاں کہیں بھی ہے، اسے چاہیئے کہ وہ بغیر کسی سابقہ تعصب اور خود ساختہ مفاد کے صرف خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے کتاب اللہ پر تفکر کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ گویا کہ وہ اس ارشادِ ربانی پر توجہ دے:-

Marfat.com

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۳۴/۴۶

کہو کہ میں تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو کر کے یا فرداً فرداً ہی کھڑے ہو جاؤ۔ اور جب قیام کر لو۔ تو غور و فکر کرو۔ سوچو۔ سمجھو۔

گویا زوالِ قوم کو مائل بہ عروج کرنے کا پہلا اور بنیادی ذریعہ تفکر ہے۔ جس دن ملّت کے افراد نے اس حقیقت کو اپنے لئے حرزِ جان بنا لیا اسی دن سے اس کے یہ بُرے دن بدلنا شروع ہو جائیں گے۔ گویا کہ رسول اکرمؐ نے اپنے مخاطبین سے جو اوّلین مطالبہ کیا وہ تفکر کا تھا۔ اور اس سے ہمارے لئے بھی یہی اشارہ نکلتا ہے کہ ہم اپنے حالات کا تجزیہ کریں۔ کتاب اللہ کی روشنی میں ان کا جائزہ لیں اور ان کا حل تلاش کرنے کی تدابیر اختیار کریں۔

تدبّرِ قرآن

ہم بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ کتاب اللہ پر تدبّر کرنا ہمارے لئے خدا تعالیٰ کی جانب سے فرض ہے۔ کتاب اللہ اوّل سے آخر تک حلِّ تدبّر ہے اور اس پر تدبّر کرنا کسی خاص گروہ یا کسی خاص زمانہ کے لوگوں ہی کا فریضہ نہیں بلکہ ہر دانشمند انسان بالعموم اور ہر فردِ مُسلم بالخصوص اس کا مکلّف ہے جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۳۸/۲۹

(اے رسولؐ) یہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپؐ کی طرف نازل کی ہے۔ اور یہ اس غرض کے لئے نازل کی گئی ہے کہ اس کی سب کی سب آیات پر اس کے مخاطب تدبّر کریں اور بڑے بڑے اربابِ فکر و دانش اس سے اپنے لئے لائحہ عمل اور شرف و مجد کے لئے پروگرام

Marfat.com

متنبہ کریں۔ اسی تدبّر پر زور دیتے ہوئے یوں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۴/۸۲

کیا یہ لوگ قرآن پر تدبّر نہیں کرتے (انہیں معلوم ہونا چاہیئے) کہ اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

لیکن چونکہ یہ کلام اللہ ہے اس لئے اس میں اختلاف قلیل بھی نہیں۔ البتہ اگر کہیں ہمیں اختلاف نظر آتا ہے تو یہ ہمارے فہم کی نارسائی اور قلّت تدبّر کا نتیجہ ہے۔ اگر ان مقامات پر مزید غور و خوض کیا گیا اور تدبّر کے وصف سے اپنے آپ کو متّصف کر لیا گیا تو کتاب اللہ میں کسی بھی پہلو سے کوئی تخالف و تضاد یا اختلاف و تناقض نظر نہیں آئے گا۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا ۴۷/۲۴

یہ لوگ تدبّر قرآن کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ ۴۷/۲۴ کے سیاق و سباق میں منافقین کی ان کے کردار ہی کو بیان کیا جا رہا ہے۔ گویا عدم تدبّر فی القرآن کو نفاق کے اسباب میں شمار کیا گیا ہے گویا کہ کتاب اللہ میں تدبّر نہ کرنا نفاق ہے اور ہر وہ شخص یا گروہ اور ادارہ جو کتاب اللہ پر عدم تدبّر کا قائل ہے یا تدبّر کی ضرورت کی نفی کرتا ہے ہمارے نزدیک وہ امّت مسلمہ میں نفاق پیدا کرنے اور اُسے بڑھاوا دینے کا موجب ہے اسی چیز کے پیش نظر ہم کتاب اللہ پر تدبّر کی عام دعوت دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

خود مکتفی کتاب

ہمارا ایمان ہے کہ خدا کی کتاب اہل ایمان کے لئے کامل طور پر ہدایت اور کامل طور پر ذکر ہے۔ یہ ایک خود مکتفی (SELF SUFFICIENT) کتاب ہدایت ہے جیسا کہ اس کا اپنا ارشاد ہے:۔

اَوَلَمْ یَکْفِہِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْہِمْ ؕ اِنَّ

Marfat.com

ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۲۹/۵۱

کیا یہ ان کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اپنی کامل رحمت کا مظہر کرانقدر کتاب نازل کی ہے جو ان کے سامنے پیش کی جا رہی ہے بیشک اس میں کامل رحمت اور کامل ذکر ہے ہر اس گروہ کے لئے جو اس پر ایمان لاتا ہے۔

گویا کہ کتاب اللہ کو رحمت اور ذکر کے حوالے سے ناکافی یا ناقص قرار دینا اس پر عدم ایمان کے مترادف ہے۔

مفصّل کتاب

ہمارا خیال ان لوگوں سے قطعی مختلف ہے جو کتاب اللہ کو مجمل، ناقص یا اُسے گونگا ٹھہراتے ہیں ہمارا تو ایمان ہے کہ

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۶/۱۱۵

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو حکم پسند کروں حالانکہ وہ تو تمہاری طرف مفصّل کتاب نازل کر چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ مفصّل ہے۔ یہ خدائی حکم ہے اور خدا تعالیٰ کی صفت حکم کی نمائندہ اور مظہر ہے لہٰذا کتاب کو مفصّل نہ ماننا ہمارے نزدیک قرآنی آیات کی تغلیط کرنا ہے۔

اختلافات کا حکم اور حل

پھر سورہ شوریٰ میں یوں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۴۲/۲

کہ تمہارے مابین جس کسی چیز میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے حل کرنے کے لئے تم خدائی حکم یعنی اس کی کتاب کی طرف رجوع کیا کرو

اور پھر سورہ الاعراف کے آغاز میں یوں ارشاد ہوا ہے:۔

اتباعِ قرآن

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۷/۳

اے جماعت مومنین جو کچھ بصورت کتاب تمہاری طرف تمہاری نشوونما کرنے والے کی جانب سے نازل ہوا ہے اُسی کی اتباع کرو۔ اور اس کے علاوہ، اور اولیاء اور سرپرستوں کی اتباع نہ کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم بہت ہی کم فیض یاب ہو سکو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتباع صرف مَا اُنزِلَ اللہ (قرآن) ہی کی ہوگی۔ اس کے علاوہ اور کسی کو اصلاً متبوع اور مطاع نہیں بنایا جائے گا۔ یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ کتاب اللہ کو یہ مقام نہ دینا اسے اصلاً متبوع اور مطاع نہ ماننا دراصل اس سے فیض حاصل نہ کر سکنے کے مترادف ہے۔ گویا کتاب اللہ سے کامل اور بھرپور طور پر فیض یاب ہونا یہ ہے کہ اسے اپنا مطاع بنایا جائے اس کی مکمل طور پر اتباع کی جائے۔

کتاب اللہ کے مطابق نظامِ حکومت

کتاب اللہ کی مکمل اتباع اور اسے ہر معاملہ پر ہر تنازعہ و اختلاف میں حکم بنانا ہی ہمارے نزدیک اس پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن انسانوں سے بھی مَا اَنزَلَ اللہ (انجیل) کے مطابق حکم و حکومت کرنے کا مطالبہ کرتا ہے وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۵/۴۷ اور اس کے مطابق حکم و حکومت نہ کرنے والوں کو فاسق قرار دیتا ہے وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۵/۴۷ جو بھی مَا اَنزَلَ اللہ کے مطابق حکم و حکومت نہیں کرتے وہ فاسق ہیں ایسے لوگ ظالم بھی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۵/۴۵

جو مَا اَنزَلَ اللہ کے مطابق حکم و حکومت نہیں کرتے وہی لوگ ظالم ہیں اور کافر بھی جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

کتابِ محفوظ ہمارے نزدیک کتاب اللہ محکم، مدبر، مفصل اور محکم کتاب ہے۔ یہی وہ صحیفۂ ربانی ہے جو اپنے یومِ نزول سے اب تک تحریر و تقریر ہر پہلو سے محفوظ چلا آ رہا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۵/۹

بیشک ہم ہی نے (یہ) ذکر نازل کیا ہے اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کے روئے زمین پر حفاظ موجود ہیں۔ اس کی شرق و غرب میں ہر سیکنڈ پہ تلاوت کی جا رہی ہے۔

ہماری منادی ہمارا یہ عزم ہے کہ ہم اس کی تلاوت کرنے والوں کو اس کے علم و نور کو سمجھنے اور اس کی حکمت و حقانیت کو جاننے اور اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کی عام منادی کریں گے۔

نفسیاتی تبدیلی ہمارا ایمان ہے کہ اقوام میں تبدیلی کا اصل ذریعہ تعلیم ہوتی ہے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ جب تک کسی قوم میں نفسیاتی تغیر نہ پیدا کیا جائے اس وقت تک کسی بھی قوم کی حالت نہیں بدل سکتی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱

یعنی کسی قوم کے احوال و ظروف۔ حالات و کوائف میں اللہ تعالیٰ اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں لاتے جب تک کہ وہ قوم اپنے اندر نفسیاتی تغیر پیدا نہ کرلے۔

گویا کہ کسی بھی قوم کے بناؤ و بگاڑ کا دار و مدار اس قوم کے اپنے رجحانات پر ہے۔ اگر کسی قوم میں تعمیر کا مثبت نفسیاتی رجحان پیدا ہو جائے تو وہ بلندیوں تک پہنچ جاتی ہے اور جو قوم نفسیاتی طور پر پست ہونا شروع ہو جاتی ہے تو آہستہ آہستہ وہ معاشی و معاشرتی

سطح پر بھی بہت تیزی سے مقام پر پہنچ جاتی ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ میں نفسیاتی تعمیر کے اصول پر کام کیا جائے اس کو دین کے دائرے میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی جائے تاکہ یہ قرآن حکیم کی طرف صحیح معنی میں رجوع کر سکے۔ اور اسی طرح رجوع الی القرآن کی وہ تحریک برپا ہو جس کے بدون فروغ و فلاحِ انسانیت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

کتاب، نورُ اللہ

ہمارا ایمان ہے کہ یہ کتاب اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہے جس سے انجام کار پوری روئے زمین منور ہو کر رہے گی اور عقلِ انسانی بھی آہستہ آہستہ اپنے تجرباتی طریق سے نئے نئے حقائق کا انکشاف کرتی ہوئی اس سے زیادہ ہم آہنگ ہو جائے گی۔ ہمارا ایمان ہے کہ نورِ خدا کی تکمیل اور اس کے اتمام میں رکاوٹ بننے والی تمام قوتیں ایک ایک کر کے ناکام اور پارہ پارہ ہو جائیں گی۔ جیسا کہ خدائی دعوٰی ہے

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۶۱/۸

وہ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کے ذریعے بجھا دیں (وہ سُن لیں اور آگاہ رہیں) خدا اپنے نور کو پورا کر کے رہیگا اگرچہ ایسا کرنا منکروں کو کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔

اصلاحِ اُمت کا لائحہ عمل

ہمارا ایمان ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں فلاح و صلاح کی جب ضرورت کا احساس آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر بتدریج ملت کے مختلف افراد اور اداروں کو ہو رہا ہے وہ اس بات کا شدید طور پر متقاضی ہے۔ کہ اس کی صحیح طور پر راہنمائی کی جائے۔ اور اسے اس منبعِ فکر سے وابستہ کرنے کی مختلف پہلوؤں سے مربوط کوشش کی جانی چاہیئے جس کا نام قرآن حکیم ہے۔ قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کے حالات پر حاکمہ کرتے ہوئے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:۔

وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ

اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے الکتاب کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اور اس طرح اس پر جم گئے اور انہوں نے الصلوٰۃ کو بھی قائم کیا تو بےشک ایسے مصلحین کے اجر کو ہم ضائع نہیں کیا کرتے۔

گویا کتاب اللہ پر مضبوطی سے جم جانا اس کے احکام اور حکمت کی طرف دعوت دینا اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو جانا ہی وہ اصلاح ہے جس کا اجر دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کیا ہے اور ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذمّہ عائد ہونے والے فریضہ کی تکمیل یا ادائیگی میں کوتاہی کریں۔ ہم بھی اُمتِ مسلمہ میں اس دعوتِ اصلاح کو عام کرنا چاہتے ہیں جس کا دوسرا نام رجوع الی القرآن یا تمسک بالکتاب کی دعوت ہے۔

نوجوان نسل

ہمارا یہ بھی پختہ عقیدہ ہے کہ قوموں میں تحریکِ فلاح و صلاح کیلئے نوجوان نسل مرکزی کردار انجام دیا کرتی ہے جیسا کہ خود قرآنِ حکیم کا اپنا بیان اصحابِ کہف کے بارے میں یہ ہے کہ:۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

بے شک یہ (اصحابِ کہف) وہ (قابلِ فخر) نوجوان تھے کہ وہ جب اپنے رب پر ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا۔

یعنی اُن کی سابقہ ہدایت اور علم و عمل میں اور اضافہ ہوگیا۔ نوجوان نسل کا تازہ خون ان میں نئے نئے ولولے پیدا کرتا ہے۔ تازہ و توانا ذہن نئے نئے منصوبے بناتا ہے اور جب وہ کسی بات کا عزم بالجزم کر لیتا ہے تو جب تک وہ اس بات کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا لیتا وہ چین سے نہیں بیٹھتا۔ راستے میں جو مشکلات و مصائب آتے ہیں وہ انکا پامردی سے مقابلہ کرتا ہے اور نامساعد حالات کے سامنے وہ دل نہیں ہار بیٹھتا۔ وہ جبر و تشدد کو سہتا ہے مگر اُف تک نہیں کرتا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل ہی کے سلسلہ میں

Marfat.com

قرآنِ حکیم کا اپنا بیان ہے کہ :-

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۱۰/۸۳

فرعون اور فرعونی کارندوں کے مبتلائے فتنہ کر دینے کے خوف سے بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صرف ایک چھوٹی سی جماعت ہی ایمان لائی۔

یعنی جن بوڑھے لوگوں پر غلامی و محکومیت اپنا تسلط جما چکی تھی جن کی غلامی و محکومیت عادتِ ثانیہ بن چکی تھی وہ تو فرعونی استبداد کا سامنا کرنے کے احساس ہی سے کانپ جاتے تھے۔ مگر بنی اسرائیل کے وہ نوجوان جو اس فرسودہ نظام سے اکتا چکے تھے۔ جس میں انہیں سوائے محرومیوں کے اور کچھ حاصل نہ تھا۔ اور جن کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر ہو چکی تھی اور انہیں یقین تھا کہ ان کی زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں اور وہ چلتے پھرتے متحرک لاشے ہیں اور اگر وہ اپنے اختیار و ارادہ سے آزادی و سربلندی کے لئے قربانی دے دیں تو کیا عجب کہ وہ اپنے بعد والوں کے لئے شاندار یا کم از کم قابلِ برداشت انسانی مستقبل کی ضمانت دے سکیں۔ اس جذبہ سے سرشار ہونے کے بعد یہ نوجوان بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے آمادہ عمل ہو گئے تھے اور اس طرح آہستہ آہستہ بنی اسرائیل اپنے دکھوں کا مداوا کر کے آخر الامر سلطنت و حکومت کی نعمت سے مالا مال ہو گئے جیسا کہ ۷/۱۳۷ میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کو ان کے صبر و عزیمت کی وجہ سے مشرق و مغرب کا والی و وارث بنا دیا گیا۔

ہم بھی اُمّتِ مُسلمہ میں دعوت اصلاح کے لئے اپنی اُمیدوں اور تمناؤں کا مرکز و محور نوجوان نسل ہی کو سمجھتے ہیں۔ خدا کرے ہم نوجوان نسل کو قرآن کریم کے قریب لانے میں کامیاب ہو جائیں۔

تکریمِ آدمیّت تحریک تعمیرِ انسانیّت ہر ابنِ آدم کو خواہ اُس کا عقیدہ و مذہب اور وطن اور نسل کچھ ہی کیوں نہ ہو واجب التکریم سمجھتی ہے کیونکہ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۔

بے شک ہم نے ہر ابنِ آدم کو واجب التکریم بنایا ہے۔

تحریک کے نزدیک ایسے معاشرہ کا قیام جس میں ہر انسان کو صرف انسان ہونے کے ناطے سے شرف و مجد کا حقدار سمجھا جائے۔ عین منشاءِ قرآن ہے۔

خدا ہمارا حامی و ناصر ہو

قرآن اور عقل

Marfat.com

إِنَّا جَعَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝٣

بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی زبان میں بیان کیا ہے
تا کہ تم عقل سے کام لو

اظہارِ تعجب و حیرت

قرآن اور عقل کا نام سنتے ہی حیرت و استعجاب ہونے لگتا ہے۔ کیوں کہ قرآن کو تو ایک مذہبی کتاب بنا دیا گیا ہے اور مذہب کے بارے میں آج علم و نظر رکھنے والے افراد یہ تاثر رکھتے ہیں کہ وہ عقل و سائنس کے مخالف بلکہ اس کا معاند ہے۔ علم و نظر یا سائنس میں یہ مذہب دشمنی کا رجحان مغرب سے مشرق میں درآمد ہوا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ جب مشرق میں قرآن کا آفتاب نمودار ہوا اور اس کی کرنیں سپین سے اہلِ مغرب پر پڑیں اور اس طرح ان میں علم و حکمت کے صدیوں سے خوابیدہ جذبات نے انگڑائی لی اور اس طرح انہوں نے آہستہ آہستہ ان کے پیدا کردہ صحیفۂ فطرت کو اپنا موضوعِ بحث و توجہ بنایا تو اس رجحان اور طرزِ فکر کی مغرب میں رائج و حکمران مذہب (عیسائیت) نے بے پناہ مخالفت کی۔ اہلِ حکمت پر بے پناہ تشدد کیا جانے لگا۔ ان کی تحقیر و تذلیل کرنے میں کوئی کمی نہ رہنے دی گئی۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض واجب الاحترام اہلِ علم و حکمت کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائیت ایک ایسے عقائد کا نظام تھی جس کی صحیفۂ فطرت میں کوئی اساس و بنیاد نہ تھی۔ صحیفۂ فطرت اس امر کی گواہی نہیں دے سکتا کہ خدا تین بھی ہیں اور ایک بھی۔ خدا اپنے لئے بیوی اور بیٹے رکھتا ہے۔ وہ مجرموں اور گناہگاروں کو معاف کرنے کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے کو سولی دے چکا ہے۔ قانون LAW و شریعت، کامیابی و کامرانی کے لئے شرط نہیں بلکہ معصوم یسوع کی بے گناہ قربانی برائے نجات کے لئے کافی ہے۔ اب ان میں سے ہر عقیدہ ایسا تھا جس کی کائنات فطرت میں نہ کبھی کوئی بنیاد مل سکی ہے، نہ مل سکتی ہے اور نہ ہی ملے گی۔ اب ایک ایسے مذہب سے کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اہلِ علم و حکمت کو کائنات فطرت کے بے لاگ و آزادانہ تحقیق و تفتیش کا حق دے دیتا۔ لہذا اس نے ہر زمانہ میں اپنی سطوت و حکومت باقی کیا اور اپنے عقائد کی قربان گاہ پر انسانی عظمت و کرامت کو بھینٹ چڑھا دیا۔

سے مذہب اور سائنس کے مابین نفرت و عداوت کا وہ خمیر تھا جو دن بدن پھیلتے پھیلتے اتنا آگے بڑھ گیا کہ اس کے نتیجے میں ہر مذہب کو خلاف حکمت اور ہر عقیدہ کو مخالف عقل مان لیا گیا اور چونکہ اس نے مذہب کو بالکل ہی منطق و استدلال کے پایہ سے گری ہوئی چیز قرار دے کر اسے ہمیشہ کے لئے علم و حکمت کی بارگاہ سے راندۂ درگاہ قرار دے دیا۔ یہ ہے تاریخی پس منظر جس کی وجہ سے قرآن (جو کہ اب ایک مذہبی کتاب بن گیا ہے) اور عقل کو موضوعِ بحث بناتے وقت ہمیں تعجب سا ہونے لگتا ہے

دوسری وجہ ۔ مسلمانوں کی پسماندگی

دوسری وجہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے قرآن کو صرف ان مسلمانوں کی کتاب سمجھا گیا ہے جو اقتصاد و معیشت کے اعتبار سے پسماندہ ہیں۔ اور جن کا شمار ترقی پذیر (DEVELOPING NATIONS) یا ناترقی یافتہ (UNDER DEVELOPED NATIONS) اقوام میں ہوتا ہے۔ وہ قوم جو اپنے وجود کی بقا کے لئے ہر پہلو سے مغربی اقوام کی محتاج ہے وہ جس کے ہاں کسی چیز کو استحکام نہیں اور جس کے ہاں ابھی تک جہالت و ظلمت کے سائے دُور دُور تک اپنے پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں۔ اب ایک ایسی قوم جو تہذیبی تمدنی، معاشی و اقتصادی اور علمی و سائنسی نقطۂ نگاہ سے اپنی پسماندگی اور بوسیدگی کی وجہ سے بدنام ہو چکی ہو اس کے نام سے منسوب کتاب کو ارباب علم و حکمت اپنے موضوعِ بحث بنائیں تو کیسے؟ تو یہ دوسری وجہ ہے کہ جس کی بنا پر مغرب کے اہلِ حکمت ابھی تک قرآن حکیم کے الفاظ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن ان عوامل (اور ایسے متعدد دیگر عوامل جن کا ذکر اس وقت کرنا ممکن نہیں) کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور عقل و قرآن یا حکمت و مذہب کی باہمی مغائرت و عداوت کے پہلو پر نگاہ ڈالتے ہوئے ہم بارگاہِ قرآن میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیا عجب کہ معاملہ کی کوئی قابلِ اطمینان شکل سامنے آجائے۔

قرآن اور علم بارگاہِ قرآن میں پہنچتے ہی تصویر اُلٹ جاتی ہے۔ عقل اور مذہب کی باہمی چپقلش کا کہیں دُور دُور تک نشان نظر نہیں آتا بلکہ وہ ہاتھ میں ہاتھ دالے اور ایک دوسرے کی معاونت کرتے ہوئے کسی اور نصب العین کی طرف مسلسل آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن عالم اور علماء کا لفظ ایسے حکماء اور دانشوروں کے لئے استعمال کرتا ہے جو شب و روز کائناتِ فطرت کے مختلف شعبوں میں پنہاں قوانین اور حقائق کا انکشاف کرنے کے لئے مصروفِ تگ و تاز رہتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا ط وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ کَذٰلِکَ ط اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط ۳۵/۲۷-۲۸

کیا تُو نے غور کیا کہ اللہ تعالےٰ کس طرح بلندیوں سے بارش کا پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اس پانی سے کس طرح رنگ برنگ اور نوع بنوع، الگ الگ خواص و ذائقوں کے پھل پھول پیدا کرتا ہے کیا تُو نے کبھی غور بھی کیا ہے کہ بعض پہاڑ تو بالکل سفید ہیں اور بعض سُرخ، بعض بالکل ہی کالے اور پھر ان سب کی بھی الگ الگ انواع ہیں اور کیا تُو نے کبھی سوچا ہے کہ انسان بھی الگ الگ مذاق و افتاد، الگ الگ رنگ و خواص رکھنے کی وجہ سے کتنی مختلف اقسام کے ہیں۔ یہی حال چوپایوں اور جانوروں کا بھی ہے کہ ان کی الگ الگ اقسام ہیں۔ بیشک کائناتِ فطرت کے ان مختلف گوشوں پر غور و خوض

کرنے والے علماء ہی خالقِ فطرت سے صحیح معنی میں خشیّت رکھتے ہیں۔
اور انہی پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ انتہائی طور
پر سامان حفاظت ونگہداشت بہم پہنچانے والا ہے

اور طالبانِ قرآن سے یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ عُلماء کا لفظ پُورے قرآن میں صرف دو جگہ استعمال ہوا ہے نمبر ۱۔ ۲۶/۱۹۰ اور دوسرا اس مقام ۳۵/۲۸ میں، پہلے مقام پر علماء سے مراد وہ انسان ہیں جن کے پاس الفاظِ خدا WORDS OF GOD کا علم ہو اور دوسرے مقام پر علماء سے مراد وہ انسان ہیں جن کے پاس اعمالِ خدا (WORKS OF GOD) کا علم ہو اور کامل حقیقت اس سلسلے میں یہ ہے کہ قرآنی نقطۂ نگاہ سے حقیقی عالم وہی ہیں جو ان دونوں شعبوں پر دسترس رکھتے ہیں اور صحیفۂ فطرت کا علم ہی وہ علم ہوتا ہے جس کے نتیجے سمع، بصر اور فواد کی زندہ اور دائمی شہادت موجود ہوتی ہے اور وہ ظن وتخمین سے وہ بالکل پاک ہوتا ہے۔

انسان اور کائنات سائنس وحکمت تمام تر مطالعۂ فطرت سے ماخوذ ہے اور مطالعہ فطرت، اس کی تسخیر اور اس پر انسان کی بالادستی وحکمرانی کا قیام قرآن کا ابتدائی انسانی نصب العین ہے قرآنی نقطۂ نگاہ سے کائناتِ فطرت کے مطالعہ اور اس کی تسخیر کیلئے انسان کو سمع، بصر اور فواد کا مالک بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۳۲/۹

(اے نوعِ انسان) اس اللہ تعالیٰ نے تمہیں گذشتہ مرحلوں سے گذار کر سمع، بصر اور فواد کا مالک کیا مگر تم نے (ابھی تک) ان گرانقدر آلات کا کوئی قابلِ لحاظ استعمال نہیں کیا۔

یعنی ان آلات کے کم استعمال کرنے کا اللہ تعالیٰ کو انسان سے شکوہ ہے اور ایک دوسرے مقام پر یُوں ارشاد ہوا ہے:۔

Marfat.com

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۱۷/۳۶

اے مخاطب انسان، تو کسی بھی ایسی چیز کو مت مان اس کے پیچھے مت چل اس کی مت اتباع کر (لا تقف) جس کا تجھے براہ راست اپنے طور پر کوئی علم نہیں ہے (ما لیس لک بہ علم) اور جان لے کہ اس براہ راست علم کے حصول کے لیے ہم نے تجھے سمع، بصر اور فواد کی صلاحیتیں اور آلات عطا کئے ہیں۔ اور انہیں بھرپور طریقہ سے کام میں لا اور یہ بھی کان کھول کر سن لے کہ ان آلات کے استعمال کرنے کا تو ہمارے ہاں جوابدہ ہے۔ تجھ سے مواخذہ ہوگا کہ تم نے انہیں استعمال کیا یا نہیں کیا اور نہیں کیا تو کیوں نہیں کیا اور کیا تو کس طرح کیا اور پھر ان سے حاصل شدہ حقائق و حاصلات کو تو نے کس طرح استعمال کیا۔ گویا کہ قرآن کریم آدمی کے یہ بات منافی سمجھتا ہے اور اس کے نزدیک یہ اس کی توہین اور تذلیل ہے کہ وہ ایسے عقیدہ و عمل کو اختیار کرے جس کا اسے براہ راست علم نہ ہو۔ اس طرح قرآن علم و ثبات کا داعی و امام بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

نزول قرآن کا ایک مقصد

قرآن تو اپنے نزول پانے اور انسانوں کے سامنے [illegible] ضرورت اور اہمیت بتلا اور مقاصد کے ایک مقصد یہ بتلا دیتا ہے کہ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۱۲/۲، ۴۳/۳ تاکہ قرآن کے مخاطب عقل سے کام لینا شروع کریں اور امت مسلمہ کو درس دے کر فرمایا ہم آیات کو کھول کھول کر اچھا اور نکھار کر بیان کر رہے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لینا سیکھو۔ ۲/۲۴۲ ۲۴/۶۱

جہنمی کون؟

قرآن تو بلکہ ہم سے اوصاف بتاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ جہنمی لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ — لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۷/۱۷۹

بیشک ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا

Marfat.com

حال یہ ہے کہ) ان کے دل و دماغ تو ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں،
ان کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے کان تو ہیں مگر وہ
ان سے سنتے نہیں۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا کہ اہل جہنم، جہنم میں جا کر اعتراف کریں گے:۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۶۷/۱۰

کہ اگر وہ عقل سے کام لیتے تو آج جہنم میں نہ ہوتے۔

۶۷/۱۰ کے اس مقام پر آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۶۷/۱۱

کہ اہل جہنم اپنے جرم کا اعتراف کریں گے اپنے آپ کو اس جرم کی
سزا کا سزاوار ثابت کریں گے اور اہل جہنم کے لئے بربادی ہے۔

یہ مقام انتہائی غور و خوض کا متقاضی ہے کیونکہ یہاں پر اہل جہنم کا عقل سے کام نہ لینا بیان کیا ہے اور آگے اسی ایک جرم کی پاداش میں سزا پانے کا ذکر کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جرائم کی اصل جڑ عقل سے کام نہ لینا ہے اور عقل سے کام نہ لینا وہ بنیادی جرم ہے، جس کی سزا ابدی ہلاکت و بربادی ہے۔

پلید افراد اور اقوام

حیران کن بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے ان افراد، اقوام، ان کے فکر و فلسفہ اور تہذیب و فن کو پلیدگی، غلاظت اور گندگی قرار دیا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۱۰/۱۰۰

جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اللہ تعالیٰ اُن پر پلیدگی اور نجاست مسلط
کر دیتے ہیں۔

چلتا ہوا پانی حیات بخش ہوتا ہے (۲۱/۳۰) ذہنی پانی جب جوہڑ کی صورت میں رُک جاتا ہے

تو کچھ عرصہ کے بعد اس میں سرانڈ اور عفونت پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلے پانی کی تلاش میں انسان مارا مارا پھرا کرتا ہے اور دوسرے پانی کے بدبودار جوہڑ کے پاس سے بھی گزرنا زندہ اقوام کے افراد کے لیے عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا۔ انہیں اس سے طبعی نفرت سی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی قوم یا ملت عقل سے کام لینا چھوڑ دیتی ہے تو وہ بھی صاحب شعور و ادراک اقوام کی نگاہ میں وہ گلا سڑا پانی بن جاتی ہے جس سے انہیں گھن آتی ہے اور اس سے انہیں نفرت ہوتی ہے۔ وہ ان کے پاس سے گذر جاتی ہیں مگر ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے۔

آنحضورؐ کا قوم سے ایک ہی مطالبہ

قرآن حکیم بھی عجب کتاب ہے۔ تفکر و تدبر اس کا طرۂ امتیاز ہے اور ہم یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ قرآن اپنے مخاطبین سے یوں گویا ہوا ہے کہ

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۳۴/۴۶

اعلان کرو اور علی الاعلان کہو کہ میں تم سے صرف ایک ہی بات کا مطالبہ کرتا ہوں ایک ہی بات کی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں

اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب رسول خدا خود ایک ہی امر کی نصیحت کرنا چاہتے ہیں اور اس ایک بات کے ساتھ کسی دوسری بات کا اضافہ نہیں کرنا چاہتے تو اس سے اس ایک اکیلی نصیحت یا مطالبہ کی عظمت و اہمیت کا بڑی آسانی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَنْ تَقُوْمُوْا کھڑے ہو جاؤ یہ جو تم سوئے ہو بیدار ہو جاؤ۔ یہ جو تم جاگ بھاگ دوڑے چلے جا رہے ہو۔ ذرا رکو۔ یہ سب کام خدا کے لیے ہو۔ دوسرے ... اپنے تعصبات سے ذرا بالاتر ہو کر اپنے خود ساختہ مفادات کو ایک طرف رکھتے ہوئے۔ خلوص اخلاص سے قیام کرو (للہ) اس قیام میں اپنے ساتھ اپنے ساتھیوں اور رفیقوں کو بھی شامل کر لو مَثْنٰی اور اگر وہ شامل نہ ہوں تو صرف تم تنہا

Marfat.com

[illegible]

قرآن اور سمع و بصر

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے بدترین خلائق ان انسانوں کو قرار دیا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۲۲

جانوروں سے بھی بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ گونگے اور بہرے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ جانوروں کو تو رحمان کی جانب سے سمع، بصر اور فواد کے آلات و ذرائع ملے ہی نہیں انہیں تو کچھ جبلتیں ملی ہیں اور وہ ان جبلتوں سے بھرپور طور پر کام لیتے ہیں۔ لیکن وہ انسان جو اپنی آنکھوں اور کانوں کو بند رکھتے ہیں وہ انہیں استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں جانوروں سے بدتر قرار پائے ہیں۔

ایک سوال

یہاں پر ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کفار عقل سے کام نہیں لیتے تو وہ اہلِ ایمان کا مقابلہ کیسے کرتے تھے۔ ان کے راستے میں روکاوٹیں کیسے کھڑی کرتے تھے۔ اہلِ حق کے خلاف معرکہ آرائیاں کیسے کرتے تھے؟ قرآن اس کا جواب یہ دیتا ہے، عَادًا وَّثَمُودَا ۔ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۲۹/۳۸ (قوم عاد و ثمود) یعنی وہ بڑے ہی جہاں دیدہ اور پرکھ رکھنے والے انسان تھے۔ تو جب وہ پرکھ رکھنے والے جہاں دیدہ انسان تھے تو پھر یہ کیسے ہو گیا کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے؟ جب کہا کیا تو نے کبھی غور کیا کہ تیرے رب نے اس عاد ارم کے ساتھ (جو کہ ذات عماد تھی اور جس کا مد مقابل اور مماثل اس کے بعد ان علاقوں میں پیدا نہیں ہوا) کیا سلوک کیا؟ اور ایسے ہی ان ثمودیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جو وادیوں میں پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر فرحت بخش محلات بنایا کرتے تھے۔ اور اس فرعون کے ساتھ جس کے اقتدار و بالادستی کے کھونٹے دور دور تک بڑی مضبوطی و استحکام سے گڑے ہوئے تھے ۸۹/۶-۱۰ قرآن حکیم اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ لوگ دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ دنیا کے امور میں بڑے درک و فہم سے کام لیتے ہیں۔ لیکن دین کے امور میں تقلید آباء کے قائل ہوتے ہیں اور اس سے ہٹ کر کسی اور راستے پر چلنے کے روادار نہیں ہوتے خواہ وہ راستہ کتنا ہی یقینی، کشادہ اور پر امن کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ میں قرآن حکیم کا بیان ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کو بتوں کے گرد دھرنا مارے دیکھا تو آپ نے پوچھا یہ

کرتے ہو۔ اس کی دلیل اور علم غرض و غایت تم مجھے بھی سمجھاؤ۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰکِفُوْنَ

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ۲۱/۵۲-۵۳

کہ جب (ابراہیمؑ) نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے سوال کیا۔ ان تماثیل کی حیثیت و حقیقت کیا ہے۔ علم و غایت کیا ہے۔ جن کے پاس تم دھرنا مار کر بیٹھے رہتے ہو۔ انہوں نے (ابراہیمؑ) کو جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔

یعنی باپ دادا سے ایک رسم منتقل ہوتے چلی آ رہی ہے اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہی ہے کہ یہ تواتر سے آباء سے ابناء کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ اس پر ابراہیمؑ نے انہیں، جانتے ہو کیا جواب دیا۔ جنہوں نے دلیل و برہان کی بجائے آباء کی سنت اور اس کے تواتر کو ان کے سامنے بطور سند و حجت پیش کیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا۔

لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۲۱/۵۴

کہ بے شک تم اور تمہارے آباؤ اجداد واضح گمراہی میں مبتلا ہو۔

یہ کوئی ابراہیمؑ کی خصوصیت نہیں ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے اور ہر نبی نے اپنی قوم سے دلیل و سند اور حجت و برہان ہی کا مطالبہ کیا ہے اور یہ بات تو بالکل ہی واضح ہے کہ دلائل و براہین کا تعلق عقل و فہم سے ہوتا ہے۔

آنحضورؐ اور برہان | آپؐ کے بارے میں تین مقامات پر قرآن حکیم میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ مختلف مسائل اور عقائد پر آپؐ نے اپنے مخاطبین سے ان کے دعاوی و عقائد پر دلائل و براہین کا مطالبہ کیا۔ پہلے ۲/۱۱۱ پھر ۲۱/۲۴ اس کے بعد ۲۷/۶۴ یعنی ان مقامات پر آپؐ نے اپنے مخاطبین سے دعوؤں کے لئے دلائل کا مطالبہ کیا ہے۔

آنحضورؐ اور بصیرت | آنحضورؐ کے بارے میں ۱۲ [illegible] الفاظ ملتے ہیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا
وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۱۲/۱۰۸

اعلان کر دو۔ کہ یہ (قرآن) ہی میرا راستہ ہے میں (اس کے ذریعہ)
اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں (اس سلسلہ میں) بصیرت پر ہوں
اور وہ بھی جو میرے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص سے
بلند و بالا ہے اور میں تو کسی پہلو سے مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس آیت جلیلہ نے اس قدر مضامین کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے کہ ان تمام کا احاطہ کرنا اور انہیں تفصیل سے بیان کرنا ممکن نہیں۔ مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے :-

(۱) قرآن ہی رسول محترم کا راستہ ہے اور اس کے ذریعہ سے آپ انسانیت کو دعوت اللہ دیا کرتے تھے۔ لہذا سنت رسول ہمارے لئے بھی یہی ہے کہ ہم بھی کتاب اللہ (القرآن) کی طرف دعوت دیا کریں۔

(۲) دعوت اللہ کی اساس و بنیاد بصیرت یعنی واضح و وثوق دلائل اور براہین پر ہونی چاہئے باپ دادا سے منتقل شدہ وراثت پر نہیں کہ جس کے حقیقت و حقانیت کا نور نہ ہو بلکہ ظلمات ہوں نور کے طور پر ہونا چاہئے۔

عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ اس آیت مبارکہ نے یہ بات بالکل صاف کر دی ہے کہ یہ وہ عالم، متکلم اور فقیہہ جو اس بات کا قائل ہے کہ دین اسلام میں عقل و حکمت تفقہ و تدبر کا عمل دخل نہیں ہے یا دین اور عقل کے مابین تضاد اور دوئی ہے وہ شخص آنحضرت کا تابع نہیں وہ اتباع نبوی اور اس اتباع سے پیدا ہونے والے ثمرات و برکات سے بالکل محروم ہے۔ لہذا اتباع نبوی کا صرف ایک ایسا شخص یا ادارہ ہی دعویٰ کر سکتا ہے جو کتاب اللہ (القرآن) کو حجت و برہان اور دلیل و بصیرت کی بنیاد پر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور [illegible]

Marfat.com

وَسُبْحَانَ اللّٰہِ یہ ایک عجیب ٹکڑا ہے جس کے اس مقام پر آنے کی بظاہر وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ سبحان اللہ کلمہ تنزیہ ہے اور یہ وہاں استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں پر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی ایسے عقیدے یا نظریے کی تردید کرنا مطلوب ہو جو ہم آہنگ نہ ہو۔ لہذا یہاں پر اس کلمہ کے آنے کی وجہ پر ہمیں بھی غور کرنا چاہیئے۔ بات بڑی واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ تو حکیم مطلق ہے اور وہ حکمت، دانش وبینش، حجت وبرہان اور بصیرت و ایقان کا اصل سرچشمہ ہے۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی جانب سے صادر ہونے والی دعوت اور اس کے ہاں سے آنے والا کلام بصیرت اور حجت سے خالی ہو۔ جس ذات نے انسان کو سمع، بصر اور فواد کے آلات عطا کئے اور انہیں بھرپور استعمال کرنے کا حکم دیا اور مسلسل استعمال کرتے رہنے کا انسان کو اپنے ہاں جوابدہ وذمہ دار قرار دیا۔ اور نوع انسان کے اس طرز عمل پر شکوہ کیا کہ اس نے ابھی تک اس عطیۂ ربانی کا بہت ہی کم استعمال کیا ہے۔ وہ ذات والا صفات (اللہ تعالیٰ) بھلا اپنے ہاں سے آنے والی دعوت کو، دلیل وبصیرت کے چراغ کو گل کر کے ماننے کی دعوت کیسے دے سکتا ہے یہ تو نقض اور تضاد ہوگا۔ اس چیز کے پیش نظر اس مقام ۱۲/۱۰۸ پر وَسُبْحَانَ اللّٰہِ کا لفظ آیا ہے۔

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۱۲/۱۰۸ یعنی میرا تو مشرکوں سے کسی پہلو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مشرک تو عقل وحکمت اور دلیل وبصیرت نامی کوئی بھی چیز اپنے پاس نہیں رکھتے۔ میرا تو ان سے کوئی تعلق نہیں۔

کتاب لاریب اور بصیرت باوجودیکہ اس کتاب کا آغاز ہی میں یہ دعویٰ ہے کہ

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ ۲/۲

کتاب تو یہی ہے اور اس کی یہ شان ہے کہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کا سورت الفرقان میں ۲۵/۶۳-۷۵ جہاں تعارف کرایا ہے

Marfat.com

وہاں ان کی من جملہ دیگر صفات کے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے :۔

إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ
عُمْيَانًا 25/73

کہ جب انہیں (عباد الرحمٰن) کو ان کے رب کی لاریب آیات کی
یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو ان آیات اللہ پر وہ اندھوں اور بہروں
کی طرح نہیں گرتے۔

یعنی لاریب آیات اللہ کو اندھوں اور بہروں کی طرح قبول کرنے کی قرآن حکیم نے
اجازت نہیں دی

تو رفقاءِ گرامی قدر ــــــ

یہ وہ چند مختلف پہلو ہیں جنہیں میں نے آپ کے سامنے قرآن اور عقل کے عنوانات
پیش کیا ہے ۔ اب اگر آپ کوئی سوال کرنا چاہیں تو اس کا جواب دینے کی کوشش کی
جائے گی۔

ایک سوال آپ نے جس طرح قرآن حکیم سے عقل و بصیرت پر زور دیا ہے [illegible]
اسلاف اور موجودہ مسلمانوں کا طرزِ عمل بھی اس سے قطعاً مختلف ہے۔
ان کے ہاں صدیوں سے اس قدر تقلید کا زور رہا اور سوچنے سمجھنے سے اس قدر عاری
ہیں کہ اگر آپ پوچھیں کہ آج کونسا دن ہے تو جواب ہوگا۔ جمعرات یعنی دن کو دن میں
ہوتے ہوئے رات کہتے ہیں اس سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے۔

جواب جہاں تک میری جانب سے جواب کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں یہ عرض ہے
کہ دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ آیات قرآن جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش
کی ہیں ۔ کیا ان سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ عقل و بصیرت دین کے لئے لازم ہے یا ان
سے اس دعویٰ کی نفی ہوتی ہے۔ اگر ان آیات سے دین اور بصیرت کے باہم لازم و ملزوم

ہونے کی شہادت ملتی ہے اور اس کی تردید کرنا ممکن نہیں تو اس کے بعد اس بحث میں پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی کہ ہمارے اسلاف کا رویّہ کیوں غیر حکیمانہ رہا اور انہوں نے کیوں اندھی تقلید کو اپنے لئے اصولِ دین بنا لیا۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم ہی کی اپنی ہدایت یہ ہے :-

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۲/۱۳۴ ، ۲/۱۴۱ وہ ایک گروہ تھا جو گذر گیا۔ انھوں نے جو کچھ کیا اور کہا وہ ان کے لئے اور جو کچھ تم کہو اور کرو گے۔ اس کا خمیازہ تم بھگتو گے جو کچھ پہلوں نے کیا اور کہا ہے ہم اس کے بارے میں تم سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔

اس طرح جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرعون نے اس نوعیت کا ایک سوال ان الفاظ میں کیا تھا کہ :-

فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۲۰/۵۱ پہلے گذرے ہوئے لوگوں کے بارے میں (اے موسیٰ) تمہاری کیا رائے ہے (وہ جنتی ہوں گے یا جہنمی، وہ نیک تھے یا بد)

تو آپؑ نے جواب میں فرمایا :-

قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۲۰/۵۲

ان سب کا ریکارڈ میرے رب کے ہاں محفوظ ہے۔ میرا رب نہ تو ناپ شناپ فیصلے کرتا ہے اور نہ ہی وہ بھولا کرتا ہے۔

تو اس سے بھی یہ اصول ہمارے لئے متعین ہوتا ہے کہ اسلاف کی بحثوں میں اُلجھنے کی بجائے ہمیں اپنے آپ کو موضوع بحث بنانا چاہیئے۔ پس اگر قرآن حکیم سے عقل اور قرآن کی بھی ناگزیر یہ بات ثابت ہو رہی ہے تو اسے دل و جان سے مان کر اس پر عمل پیرا ہونے

کی کوشش کرنی چاہیئے اور بس۔

دوسرا سوال

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا ایک شعر ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جب عشق کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد کیا ہوتی ہے اسے متعین طور پر معلوم کرنا اتنا آسان کام نہیں تاہم یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ عشق کا لفظ باوجودیکہ عربی زبان کا ایک لفظ ہے اور زمانہ نزولِ قرآن میں عربی ادب میں یہ استعمال ہوتا تھا مگر قرآن حکیم نے اسے اپنے ہاں شرف باریابی نہیں بخشا اور اسے کہیں استعمال نہیں کیا۔ علامہ اقبال کے ہاں عشق سے مراد غالباً عقل سے ایک برتر ذریعہ علم (وحی) ہوتی ہے۔ وہ وحی جو عقل جہاں بین یا سود و بہبود کی ترجمان ہوتی ہے۔ اس لئے عقل خام یا نا پختہ عقل کو آغاز میں اس کے ماننے میں ذرا حجاب سا ہوتا ہے مگر جونہی یہ عقل ایمان و عرفان کی منزلوں میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کی یہ حجابات آہستہ آہستہ دور ہو جاتے ہیں اور پھر اس طرح یہ وحی کے ساتھ قدم ملا کر آگے بڑھتی ہے ایسی عقل کے حاملین کو قرآن کریم کی اصطلاح میں اولوالالباب کہا جاتا ہے۔ دیکھئے [illegible]

اب آیئے اس سوال کی دوسری شق کی طرف کہ بلا سوچے سمجھے اور بغیر کوئی مادی تیاری کئے اپنے آپ کو معرضِ خطر اور موقعہ ہلاکت میں ڈال دینا تو جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے وہ اس سلسلہ میں بالکل واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

لَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۲/۱۹۵

کہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت کے گڑھے میں مت گراؤ

وَلَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ ۴/۲۹

اور اپنے آپ کو قتل مت کرو

اور پھر اس ضمن میں سورت توبہ یعنی ۹/۹۲ میں بھی ایک عمدہ اشارہ ملتا ہے
(صدر اوّل میں) ایک گروہ آنحضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے
کہا کہ وہ جنگ میں جنگی خدمات انجام دینے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ ہاں محاذِ جنگ
جانے کے لئے جن سواریوں اور دوسرے لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس سے محر
ہیں آپؐ انتظام فرمادیں تاکہ ہم بھی شریکِ جنگ ہو کر دفاعِ اسلام کا شرف حاصل کر سکیں۔
نقطۂ نگاہ سے تو یہ جواب دینا چاہیئے کہ کیا ہوا اگر گھوڑے نہیں تو پاؤں تو ہیں۔ کیا ہوا
تلوار نہیں ہاتھ تو موجود ہیں۔ اس حالت میں شریکِ جنگ ہو جاؤ اور (بے تیغ بھی
ہے سپاہی) کے اصول پر عمل کر دکھاؤ۔

لیکن ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ قرآنِ حکیم نے آنحضرتؐ کا یہ جواب بایں الفاظ اپنے
اندر محفوظ رکھا ہوا ہے

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ
أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ
حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۹/۹۲

اور نہ اُن لوگوں پر کوئی الزام یا گرفت ہے جو آپؐ کے پاس یہ
سوال لے کر آئے کہ آپؐ انہیں جہاد کے لوازمات مہیا فرمادیں۔
لیکن آپؐ نے اُنہیں جواب دیا کہ آپؐ ان وسائل کا انتظام
نہیں کر سکتے تو وہ واپس لوٹ گئے اور ان کی آنکھوں سے حُزن
وملال کی وجہ سے آنسو رواں تھے اور وہ انفاق کی استطاعت نہ
ہونے پر انتہائی افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔

لہٰذا بلا سوچے سمجھے اور بغیر مادی تیاری کے اپنے آپ کو کسی مہم میں جھونک دینا مومنوں سے
اللہ کا نہ کبھی مطالبہ رہا ہے اور نہ اب ہے۔

تعارفِ رسولؐ

بزبانِ قرآن

Marfat.com

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ۲۳/۶۹

کیا اُنہوں نے ابھی تک اپنے ہی رسول کی معرفت حاصل نہیں کی۔ اِسی لئے وہ (اس عدمِ معرفت کی وجہ سے) اس سے اجنبی بنے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

تعارفِ رسولؐ بزبانِ قرآن

تعارف کسے کہتے ہیں؟

تعارف کا لفظ عربی زبان کی رو سے عَرْفٌ اور مَعْرِفَۃٌ سے نکلا ہے۔ اَلْعَرْفُ عمدہ خوشبو کو کہتے ہیں۔ ہر ایسی چیز جو سکون و اطمینان کی حالت میں ہو اور اس سے سکون و اطمینان حاصل ہو۔ اسی طرح اَمْرٌ عَرِیْفٌ، جانا پہچانا معاملہ کہلاتا ہے اور رَجُلٌ عَرِیْفٌ سردار و رئیسِ قوم کو کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے افراد کو پہچانتا ہے اور انہیں سکون و اطمینان سے ہمکنار رکھنا اس کا فریضۂ منصبی ہوتا ہے اور اس کو بھی اپنی جماعت کی طرف سے سکون و اطمینان، قوت و شوکت، دلداری و اطاعت کوشی حاصل ہوتی ہے۔ خوشبو خود اپنے آپ کو منوا لیتی ہے۔ البتہ حواس کا بحال اور بجا ہونا شرط ہے۔ خاص طور پر ناسہ شاید مختل نہ ہو اور خوشبو سے نفرت و عداوت نہ پیدا ہو گئی ہو۔ اَلْعَرْفُ بلند و بالا مقام یا ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔

الغرض معرفت گویا سکون و اطمینان کا ذریعہ ہے اور جان پہچان سے یہی مقصد ہے کسی چیز کے آثار و علامات کی بُو سونگھ کر اس اصل چیز تک پہنچ جانا معرفت کہلاتا ہے اور یہی بات اپنی بڑھی ہوئی حالت میں تعارف کہلاتی ہے

قرآنی استعمالات

نمبر ۱ سورہ یوسفؑ میں ارشادِ ربانی ہے :-

فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ (١٢/٥٨)

برادرانِ یوسفؑ اس (یوسفؑ) کے پاس آئے۔ اس نے تو انہیں پہچان لیا لیکن یہ ان کے لئے بالکل اجنبی تھا۔

یوسفؑ اور اس کے بھائی جسمانی و طبعی طور پر تو ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے بھائی اس سے خیرات و صدقات بھی مانگ رہے تھے۔ لیکن ان بھائیوں کو اس بات کی پہچان نہ تھی کہ یہ یوسفؑ عزیزِ مصر ہی نہیں بلکہ یہ خود ان کا بھائی بھی ہے جسے وہ بیچ کر دیس نکالا دے چکے ہیں۔ اسی عدمِ معرفت کی وجہ سے ان پر اس کا خوف و رعب اور دبدبہ طاری تھا۔ اگر انہیں کسی بھی درجے میں یوسفؑ کے اصل تعلق کی نوعیت کا علم ہوتا تو انہیں کسی نہ کسی پہلو سے اس سے مزید سکون و اطمینان حاصل ہوتا۔

معرفت کی ضد، نُکرُ

اسی طرح معرفت کی ضد "نکر" ہے جس کا معنیٰ ہے اجنبیت، بُعد، مغائرت، عدمِ معرفت، جس کی وجہ سے ایک انسان دوسرے انسان سے خوف اور ڈر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب آپ آگے بڑھیں، دیکھئے کہ قرآنِ حکیم سیدنا ابراہیمؑ کے سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے پاس مہمان آئے آپؑ نے فوراً انکی خاطر تواضع کرنے کے لئے ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح فرمایا اور اسے اچھی طرح بھون کر ان کی خدمت میں پیش کیا مگر جب آپؑ نے یہ دیکھا کہ ان کے ہاتھ تو اسے کھانے کے لئے حرکت میں نہیں آ رہے، ان میں تو کوئی جنبش تک پیدا نہیں ہو رہی تو آپؑ کے دل میں ان کے بارے میں ایک خوف سا پیدا ہو گیا اور آپؑ نے اس خوف و خدشہ کا ان سے ذکر بھی فرما دیا، ارشادِ ربانی ہے:

فَلَمَّا رَآ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً (١١/٧٠)

جب آپؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو آپؑ کو ان سے وحشت سی ہوئی۔

آپ میں اجنبیت و غیریت کا احساس بیدار ہوا اور دل میں کئی طرح کے خدشات نے سر اُٹھانا شروع کر دیا۔ آپؑ نے اپنے ان خدشات کا اظہار فرمایا۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۱۵/۵۲

جب ابراہیمؑ کے ہاں مہمان آئے اور انہوں نے آکر آپ کو سلام کہا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ہمیں تمہاری جانب سے خوف دامن گیر ہے۔

خلاصۂ بحث یہ کہ عدمِ معرفت سے انسان پہ خوف و وحشت طاری رہتی ہے۔ مگر معرفت سے سکون و اطمینان، دلجمعی اور راحت حاصل ہوتی ہے۔

تعارفِ رسولؐ کی ضرورت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعارف کے ضمن میں اتنی بڑی تمہید کی آخر کیا ضرورت ہے اور کس چیز کے پیشِ نظر تعارف کے لفظ پر اتنا زور صرف کیا جا رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعارفِ رسولؐ کی اہمیت و ضرورت کی جانب خود قرآن حکیم راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۲۳/۶۹

کیا انہیں اپنے ہی رسولؐ کی معرفت حاصل نہیں ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں وہ اس کے بارے میں انہونی و بے سروپا باتیں کرکے اس سے دُور اور اس سے اجنبی بنے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

تو گویا رسول کی معرفت کے بغیر انسان اجنبیّت و بُعد کی حالت میں رہتا ہے، بظاہر وہ رسول کے زمانے، اس کے شہر اور اس کے مُلک میں بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اس کی اصل و حقیقت کو نہ پہچاننے کی وجہ سے اجنبیّت اور اوپرے پن کا شکار رہ سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ معرفتِ رسالت نہایت ضروری ہے اگر معرفتِ رسالت نہ ہو تو کیا عجب کہ ناظر و منظور، شاہد و مشہود کا طبعی و جسمانی، مکانی و زمانی تعلق حاصل ہو جانے کے باوجود ایک انسان مقصود و مطلوب سے کوسوں دُور ہو۔

معرفتِ رسولؐ کا ذریعہ

اہمیت و ضرورتِ تعارف کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسولؐ کی معرفت کہاں سے حاصل ہو، اس کا یقینی ذریعہ اور مستند وسیلہ کیا ہے اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ مخلوق کو جتنا خالق جانتا ہے، مخلوق خود اپنے بارے میں اتنی معرفت و معلومات کا دعویٰ نہیں کر سکتی، تصویر کی خوبیاں اور خامیاں جتنی مصوّر پر عیاں ہوتی ہیں، اتنی خود تصویر پر بھی عیاں نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے:۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۶۷/۱۴

کیا بھلا خالق ہی اپنی مخلوق کا علم نہیں رکھتا ہو گا حالانکہ وہ انتہائی طور پر باریک بین اور انتہائی طور پر باخبر ہے۔

اور جہاں تک نفسِ رسالت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں ارشادِ ربّانی ہے:۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ ۶/۱۲۵

اللہ تعالیٰ کو خوب اور سب سے بڑھ کر علم ہوتا ہے، کہ اس نے کہاں، کس حد تک، کس حیثیت سے اور کون سے شخص کو رسالت کا

Marfat.com

امین بنانا ہوتا ہے، پھر یہ رسالت کا فریضہ اور نبوّت کا منصب ایسے ہی عطا نہیں کر دیا جاتا۔ یہ (آگ لینے جائیں اور پیغمبری مل جائے) والی بات نہیں ہوتی۔ اگرچہ نبی کو تو علم نہیں ہوتا کہ اسے اندر ہی اندر کس منصبِ جلیل کے لئے تیار کیا جا رہا ہے، مگر غیب دانِ جزو و کل کو تو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنے اس ہونے والے نبی کو کشاں کشاں اسی منزلِ مراد کی طرف لئے جا رہا ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی مثال

حضرت موسیٰؑ کے بارے میں پہلی وحی ہی کے موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے۔ اے موسیٰؑ تجھے معلوم ہے کہ کب سے تجھ پر ہماری نگاہ تھی۔ خود ہی جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ جب ہم نے تیری پیدائش سے قبل تیری ماں کو تیری ولادت اور تیرے نبی و رسول بنائے جانے کی اطلاع دی تھی۔ جب تجھے محلّاتِ مصر میں پہنچایا تھا کہ تو شاہی کرّ و فر اور سیاست حاکمہ کے داؤ پیچ سے خوب واقف ہو جائے پھر جب تجھ سے ایک آدمی مارا گیا تھا اور پھر جب تو مدین میں پناہ لے رہا تھا اور اب جبکہ تو مدین سے مصر کی طرف دوبارہ جا رہا ہے ان میں سے ایک ایک واقعہ کا تجھے بخوبی قطعی و یقینی علم ہے۔ اس مقام پر ارشاد ہوتا ہے اے موسیٰؑ ان تمام کٹھن گھاٹیوں میں پڑ کر اور اس طرح کندن بن کر اب تو نبوّت کے منصب کا اہل بنا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۲۰/۴۰

پھر اس طرح تو اے موسیٰؑ ہمارے پیمانۂ نبوّت پر پورا اترا ہے۔

یہ سب کچھ تو ماضی کی باتیں ہیں اور اب سنو! جو کچھ ہونے والا ہے اور یقین رکھو کہ اگر ماضی کے بارے میں ہمارا علم قطعی اور یقینی ہے تو مستقبل کے بارے میں بھی ہم جو کچھ آپؐ کو بتائیں گے وہ عین حقیقت اور عین علم ہی ہوگا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ کو احکام و ہدایات عطا کی گئیں۔

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہونے والے نبی پر نگاہ رکھتے ہیں اگرچہ خود اسے تو اس کا علم نہیں ہوتا مگر خود اس کا اپنا ارتقائی سفر اسی منزلِ مقصود کی طرف بڑے ہی حکیمانہ انداز میں آگے بڑھ رہا ہوتا ہے۔

ایک نہایت اہم سوال

انبیاء کی سیرتوں اور تعارف سے مقصود

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں اور اسی طرح آپؐ کی سیرتِ مقدسہ کو بیان کرنے سے قرآنِ حکیم کا مقصود کیا ہے؟ وہ ان حالات و کوائف کو بیان فرما کر ہماری کس چیز کی طرف راہنمائی کرنا چاہتا ہے؟ کیا یہ حالات و کوائف اور انبیاء علیہم السلام کی یہ مقدس سیرتیں قصہ ہائے پارینہ ہیں جنہیں صرف زیبِ داستان کے لئے دہرایا تو جا سکتا ہے مگر انہیں اپنایا نہیں جا سکتا، یا یہ کوئی ایسے اعمال ہیں جن پر وقت اور سرمایہ تو خرچ کیا جا سکتا ہے مگر ان سے اس دُنیا میں حاصل کچھ نہیں ہو سکتا۔

جواب

قرآنِ حکیم اسکا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ آپؐ کی اتباع کے نتیجے میں انسان اسی دُنیا میں خدا کا محبوب بن جائے گا۔ لاخوف ولاحزن حیاۃ طیبہ کے ثمرات و نتائج اسے حاصل ہوں گے۔ اسی حیاتِ دنیا میں اسے نعمائے جنت کے نظارے حاصل ہوں گے۔ آپؐ جس قانونِ خدا پر عامل تھے اس کے بارے میں آج بھی اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:-

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۳۸/۲

جو بھی میری اس ہدایت و راہنمائی، قانون اور ضابطے کے پیچھے پیچھے چلیں گے وہ ہر طرح کے خوف و حُزن سے نجات پا جائیں گے۔

Marfat.com

پھر ارشاد ہوتا ہے :- فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۲۰/۱۲۳

جو بھی میری اس ہدایت کو اپنائیں گے اس کے پیچھے پیچھے چلیں گے ان کی کوششیں نہ تو غلط راستوں پر پڑیں گی اور نہ ہی ان کی یہ کوششیں رائیگاں اور بیکار جائیں گی اور نہ ہی انہیں جگر پاش مشقتوں میں گرفتار ہونا پڑے گا۔

پھر اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں ——— ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۔ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۱۴/۲۴-۲۵

فرمایا۔ قرآن تو وہ سدا بہار درخت ہے جس کی جڑیں پاتال میں اتری ہوئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان کو چھو رہی ہیں اور یہ قرآن ہر زمان و مکان میں قانونِ خدا کے مطابق پھل دیتا ہے اور دیتا رہے گا۔

پھر ارشادِ ربانی ہے :-

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۲-۶۴

خبردار رہو کہ وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کے نظام کی حقیقت پر ایمان لائیں گے اور اس کے قوانین کی خلاف ورزی سے بچیں گے اور اس طرح اس کے ناصر و مددگار بنیں گے تو ان کو خوف و حزن لاحق نہیں ہوگا۔ انہیں تو اس دنیوی حیات میں بھی بشارات ملیں گی اور آخرت میں بھی۔ بے شک اللہ تعالےٰ کی باتیں، اس کے وعدے، اس کے قوانین اور اس کے یہ ضابطے تبدیل نہیں ہوں گے۔

نوحؑ، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ وغیرھم کی سیرتوں کے قرآنی بیان کا مقصود

اسی طرح اللہ تعالےٰ نے سورۃ الصّٰفّٰت میں مختلف انبیاء کے حالات وکوائف کو بیان فرمایا ہے اور وہاں ہر نبی کے واقعات کو بیان فرمانے کے بعد اس جُملے کو دہرایا ہے۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۳۷/۸۰، ۳۷/۱۰۵، ۳۷/۱۱۰، ۳۷/۱۲۱، ۳۷/۱۳۱ بیشک ہم محسنین کو ایسا ہی اجر دیا کرتے ہیں اور دیتے ہی رہیں گے۔ گویا ایسا اجر دینا ہماری مستقل سُنّت ہے۔ گویا جہاں کہیں اور جب کبھی نوح اور ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سیرتوں اور ان کے کرداروں کو اپنایا جائے گا تو اللہ تعالےٰ انہیں نتائج وثمرات کو پیدا کر دکھائے گا جو اس نے پہلے زمانوں میں پیدا کر دکھائے تھے۔

سیرتِ یوسفؑ

حتیٰ کہ سورۃ یوسفؑ جو عام تصوّر کی رو سے ایک خاص فرد کی داستان ہے اور ایک انفرادی نوعیّت کی آپ بیتی ہے، لیکن قرآنِ حکیم وہاں بھی ایک سے زیادہ دفعہ اس حقیقت کی وضاحت فرماتا ہے کہ یوسفؑ پر جو جو نوازشات و انعامات ہوئے تھے یہ کوئی اسؑ کے ساتھ خاص نہ تھے جو کوئی بھی سیرتِ یوسفیؑ کے ان درخشندہ پیکروں میں اپنے آپ کو ڈھال لے گا اسے اللہ تعالےٰ انہی انعامات سے نوازیں گے فلہٰذا آج بھی ایسا کر دکھانے ہی سے اللہ تعالےٰ رب الانبیاء ہونے کے علاوہ، رب النّاس اور رب العالمین ثابت ہوتا ہے۔ اور اس طرح تمام مخلوق کے ساتھ اس کی رحمت وعنایت کا ابدی و سرمدی ربط و تعلّق ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ وہ رب، رب النّاس اور رب العالمین نہیں رہتا۔ سورۃ یوسفؑ میں پہلے یوں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۱۲/۲۱

اور اس طرح ہم نے زمینِ مصر میں یوسفؑ کے پاؤں جما دیئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۱۲/۲۲

اور جب یوسفؑ بلوغ کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے علم و حکمت سے نوازا اور ہم تو محسنین کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔

یعنی یہ صرف یوسفؑ کی بات نہیں ہے جو بھی سیرتِ یوسفیؑ اور اس کے اسوہ کو اپنائے گا ہم اسے علم و حکمت سے ضرور نوازیں گے پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے :-

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۱۲/۵۶

ہم نے اس طرح یوسفؑ کے پاؤں خوب زمین [illegible] جما دیئے وہاں کے خزانں کا اسے والی و امین بنا دیا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۲/۵۶

اور ہم محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتے۔

پھر جہاں داستانِ یوسفؑ اپنے نقطۂ کمال کو جا پہنچتی ہے وہاں [illegible] یوسفؑ کی زبانِ اقدس سے ارشادِ ربانی ہوتا ہے :-

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۲/۹۰

بیشک جو کوئی بھی قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرے گا اور اس راہ میں آنے والی تکلیفوں کا صبر و استقلال سے مقابلہ کرے تو بیشک اللہ تعالےٰ ایسے محسنین کے اجر کو ضائع نہیں فرمایا کرتا۔

گویا کہ یوسف علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے اللہ تعالےٰ نے اعلان فرما دیا کہ داستانِ یوسفؑ کوئی ایسا قصۂ پارینہ نہیں ہے جو [illegible] سے آپ کو [illegible] نہیں [illegible] کائناتی قوانین اور فطرت کے ایسے [illegible] ضابطے [illegible]

گا وہ ان تمام انعامات سے مالا مال ہوگا جو گزرے ہوئے زمانے میں یوسفؑ اور ان جیسے دیگر صلحاء و ابرار کو حاصل ہوئے تھے۔

اس بحث میں آنے والے قرآنی حوالہ جات سے یہ بات تو بخوبی واضح ہوگئی کہ قوانین خدا پر عمل پیرا ہونے سے گذشتہ زمانے میں جو نتائج و ثمرات مرتب ہوئے تھے انکے پیدا ہونے کی آج بھی ضمانت دی گئی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس صورت میں قرآن حکیم کے ابدی و سرمدی قوانین، قوانین نہیں بلکہ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ قرار پاتے ہیں اور زمانہ نزولِ قرآن کے کفار بھی قرآنی قصص اور امثال کو اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ہی سمجھتے تھے قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۲۵/۵ - وہ کہتے ہیں کہ قرآنی قصص و آیات تو پہلے زمانوں کی داستانیں ہیں یعنی ان کا زمانۂ حال کے واقعات سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ حال و مستقبل کی رفتارِ واقعاتِ عالم پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ اس کا رُخ موڑ سکتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے:۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۲۵/۶

(اے رسولؐ) کہو (کہ یہ زمانۂ ماضی کی داستانیں نہیں) اس کتاب کو تو اس خدا نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے رازوں کا مکمل طور پر راز دان ہے اور اس نے انسانوں کو اپنی حفاظت و رحمت سے نوازنے کیلئے یہ قرآن نازل کیا ہے۔

لہٰذا یہ زمانہ ماضی کی داستانیں نہیں ہیں بلکہ یہ کتاب ہر زمان اور ہر مکان میں رہنے والے انسانوں کی کامیابی و کامرانی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے مقاصدِ نزول پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

الٓمّٓ ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۔ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢١/١-٣﴾

الٓمّٓ ۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ ان میں محسنین کے لئے کامل طور پہ رحمت اور کامل طور پہ ہدایت موجود ہے۔

گویا قرآن حکیم کا مقصدِ نزول ہی یہ ہے کہ یہ اپنے ماننے والوں کو محسنین کے مقام و مرتبہ پر فائز کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ اس طرح وہ ان تمام انعامات و نوازشات کو حاصل کر سکیں جو گذشتہ زمانوں میں سیدنا نوحؑ، سیدنا ابراہیمؑ، سیدنا موسیٰؑ، سیدنا ہارونؑ، سیدنا یوسفؑ اور سیدنا الیاسؑ جیسے انبیاء و صلحاء اور ان کی اتباع کرنے والوں نے حاصل کئے تھے۔ سوائے مقام نبوت کے کہ ۲۲/۴۰ کی رو سے نبوت آنحضورؐ کی ذات میں اپنی تکمیل کو پہنچ جانے کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے۔

آنحضورؐ کے تعارف کی ضرورت اور اس سے مقصود

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعارف ان کے اپنے خالق سے بڑھ کر کون کرا سکتا ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور وہ آپ کا خالق۔ آپ رسول اور وہ مرسل۔ آپ نامہ و پیام اور وہ اسکا کاتب۔ کاتب اپنے مکتوب کو اور خالق اپنی مخلوق کو جتنا جان سکتا ہے کوئی اور اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن اللہ تعالیٰ کے اس تعارف کو معلوم کرنے کا ذریعہ کیا ہے۔ یہ تعارف خداوندی ملے گا کہاں سے؟

ہمارے نزدیک اس کا مستند اور خدائی ذریعہ وہ قرآن حکیم ہے جو خود خالقِ ارض و سماء کی آخری تصنیف بھی ہے اور اسکا شاہکار عظیم بھی۔

قولِ عائشہؓ سے اس کی تائید

یہی بات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی زبان سے اسی موضوع پر کلام فرماتے اور ان کے زوجیت کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمائی گئی ہے۔ ام المومنین فرماتی

ہیں۔ "اے سائل تُو نے مجھ سے آنحضورؐ کی ذات و صفات اور سیرت و کردار کے بارے میں سوال کیا ہے تو کان کھول کر سُن کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ۔ یعنی آنحضورؐ سراپا قرآن تھے۔ گویا آپؐ قرآن کے پیکر میں ڈھلے ہوئے انسان، قرآنی احکامات و ارشادات کے تقاضوں کے عملی پیکر، قرآنِ حکیم کے مردِ کامل۔ خدا کے محبوب اور تمام انسانیت کے لئے حقیقی نصب العین کی حیثیت رکھنے والے انسان تھے۔

آنحضور علیہ السلام محبوب خدا تھے

اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے بارے میں آخری بات بالکل ابتدائے قرآن ہی میں واضح طور پر فرما دی ہے کہ آپ کیا تھے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط ۳/۳۱۔

اے میرے مخاطب انسانوں اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو، اسے اپنا محبوب بنانا چاہتے ہو تو میرے نقشِ قدم پر چلو۔ اللہ تعالےٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ اور تمہاری تمام کوتاہیوں اور لغزشوں سے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔

گویا کہ آپؐ محبوبِ خدا ہونے کا مقام و مرتبہ حاصل کر چکے ہیں اور آپ کی اتّباع سے دوسرے لوگ بھی محبوبِ خدا بن سکتے ہیں۔ اس بات سے آپ کے مقام و مرتبہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس انسان کے مقام و مرتبہ کا کیا ٹھکانہ کہ جس کی اتّباع سے ایک عام انسان بھی محبوبِ خدا بن سکنے کی اہلیّت حاصل کر سکتا ہے۔

لیکن اب محبوبِ خدا بننے کے لئے محسوس اور مرئی ذریعے کی ضرورت لازمی ٹھہری یعنی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج جو شخص محبوبِ خدا بننا چاہتا ہو وہ کیا کرے۔

محبوبِ خدا بننے کا طریقہ

محبوب خدا بننے کی آرزو تو ہر مسلمان میں موجود ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ محبوب خدا اب بنے تو کیسے بنے؟ کیونکہ جہاں تک آنحضورؐ کی بشری حیثیت اور بشری وجود کا تعلق ہے تو وہ تو اب موجود نہیں۔ اور قرآن کا اپنا فیصلہ بھی یہی ہے کہ آپؐ کو طبعی جسم کے ساتھ ہمیشہ زندہ رکھنا اللہ تعالےٰ کا پروگرام نہ تھا۔ ارشادِ ربانی ہے:-

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ ٢١/٣٤

اے رسول محترم ہم نے آپؐ سے پہلے بھی کسی انسان کو دوام اور ہمیشگی عطا نہیں کی اور نہ آپؐ کو عطا کریں گے۔ پس اگر آپؐ وفات پا جائیں گے تو کیا آپؐ کے مخالفین ہمیشہ ہمیشہ یہاں رہنے والے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ ٣/١٤٤

محمدؐ تو اللہ تعالےٰ کے ان بے شمار رسولوں میں سے ایک رسول ہیں جو آپؐ سے پہلے گذر چکے ہیں۔ پس اگر آپؐ وفات پا جائیں یا (خدا نخواستہ) قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم سب لوگ دوبارہ جاہلیت و جہالت کے دستور حیات کی طرف پلٹ جاؤ گے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ بات اللہ تعالےٰ کے ہاں طے شدہ تھی کہ آپؐ نے اس عالم کون و فساد میں ابد الآباد کے لئے نہیں رہنا تھا۔ نبوت کے اس باب میں اللہ تعالےٰ روشنی ڈالتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ ٢١/٨

Marfat.com

ہم نے انبیاء کو ایسا جسد یا ایسا جسمانی وجود عطا نہیں کیا ہوتا جو اکل و شرب کا محتاج نہ ہو اور نہ ہی ہم انہیں ایسا وجود عطا کیا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ رہ سکیں۔ یعنی انبیاء کو ہمیشگی عطا کرنا اللہ تعالےٰ کی سُنّت ہے ہی نہیں۔

اب جب آپؐ کو جسمانی وجود کے ساتھ ہمیشہ رکھنا اللہ تعالےٰ کے پروگرام میں شامل تھا ہی نہیں تو آپ کی اتّباع کر کے محبوبِ خدا بن جانے کا راستہ مسدود ہوتا نظر آتا ہے اس مشکل کا کیا حل ہے۔

اس مُشکل کا حل

آپؐ اور اتّباعِ قرآن

قرآنِ حکیم آنحضورؐ پر اللہ تعالےٰ کی جانب سے وحی کیا گیا تھا۔ یہ آپؐ کے ذہن کی تخلیق اور آپؐ کے اپنے خیالات و جذبات کی پیداوار نہ تھا۔ یہ خالصتاً اللہ تعالےٰ کا آپؐ کے واسطے سے تمام انسانیّت پر احسانِ عظیم تھا۔ قرآنِ حکیم اوّل سے آخر تک خدائی احکامات و فرمودات کا مظہر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ مجوّزہ دستورالعمل ہے جس کو اپنا کر نوعِ انسانی کا ایک ایک فرد محبوبِ خدا بن سکتا ہے۔ آنحضورؐ اسی قرآن کے اوّل مومن، اوّل تابع اور اوّل مُسلم تھے۔

ارشادِ ربّانی ہے:۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ ۲/۲۸۵

اللہ تعالےٰ کا رسولؐ اس کتابِ خدا پر ایمان لا چُکا ہے جو اس کے رب کی جانب سے نازل ہوئی ہے۔

پھر یہ ارشاد ہوتا ہے:۔ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۴۲/۱۵

کہو (اعلان کردو کہ) میں تو ایمان رکھتا ہوں، اس ایک اکلوتی کتاب (القرآن) پر جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوئی ہے۔

Marfat.com

چونکہ وحی کا نزول آپؐ کی ذاتِ والا صفات پر ہوا، اِس جہت سے آپؐ اوّل المسلمین کہلاتے ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۶/۱۶۲-۱۶۳

آپؐ فرما دیجئے کہ میری صلوٰۃ، قربانی و ایثار اور موت و زندگی غرضیکہ سب کچھ اس اللہ تعالےٰ کی رضا و مرضی کے تقاضوں کے ماتحت ہے جو رب العالمین ہے اس کا تو کوئی بھی شریک نہیں ہے اور مجھے تو اسی طرح جینے اور زندگی گذارنے کا حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے احکام و قوانینِ الٰہیہ کے سامنے گردن جھکا دینے والا ہوں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ
وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۳۹/۱۱-۱۲

"آپؐ اعلان فرما دیں کہ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا غلام بن کر رہوں۔ اس کی غلامی میں زندگی گذاروں اور اس کی غلامی کے اس ضابطۂ ہدایت اور نظام اطاعت میں میں کسی اور کی غلامی و اطاعت کو بالکل شریک نہ کروں۔ اور مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں سب سے پہلے احکامِ الٰہیہ کے سامنے سرِ نیاز خم کر دوں ان کی تعمیل کے لئے اپنی قربانی پیش کر دوں"۔ اسی طرح قوانینِ الٰہیہ (ضابطۂ قرآن) کے سامنے سرِ نیاز جھکا دینے کا شیوہ و شعار جس طرح آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے کی طرح ہر وہ انسان جو آپؐ کی اتباع کرنا چاہتا ہے اس کا بھی یہی شیوہ و شعار ہوتا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے:۔ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ
اتَّبَعَنِ ۳/۲۰

اگر یہ لوگ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ انہیں کہیں کہ حجت بازی

Marfat.com

کرنا میرا کام نہیں) میں نے تو اپنی کامل و مکمل ذات کو اللہ تعالیٰ
کی رضاء و خوشنودی کے لئے اس کے قوانین کے سامنے جھکا دیا
ہے اور اس طرح وہ تمام انسان بھی جو میری اتباع کرنے والے ہیں
ایسا ہی کرتے ہیں۔

آپؐ اوّل تابعِ قرآن

مندرجہ بالا مقامات سے ثابت ہوا کہ آپؐ کتاب ا
پر ایمان لانے میں اور اس کے اوامر و نواہی کے تقاض
پر عمل کرنے میں بھی اوّل نمبر پر تھے اس سے یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ آپؐ
کتاب اللہ (القرآن) کے ماتحت اور تابع تھے لیکن قرآنِ حکیم ایک ایسی کتاب ہے ج
کتابِ مبین ہونے کی دعوی دار ہے۔ لہذا اشاروں کنایوں میں بات کر کے آگے گز
جانا اس کا اسلوبِ بیان نہیں، یہ جب کسی موضوع کو بتانے لگتی ہے تو اس موضوع کی
ابتدائی جزئیات سے لے کر اس کے آخری مراحل تک کے اصولِ مہمہ تک کو خوب
صراحت اور پوری تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ اس چیز کے پیشِ نظر جہاں تک آپؐ کے
اور کتاب اللہ کے باہمی تعلق کا سوال ہے تو کتاب اللہ نے اس سوال کا مفصل جواب
دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۱۰/۱۵

میرا یہ مقام و مرتبہ، فریضہ و منصب اور یہ میری شان کے شایان
نہیں کہ میں از خود کتاب اللہ میں کوئی تبدیلی کر دوں، میں تو صرف
اتنا کر سکتا ہوں کہ اس کتابِ خدا کے پیچھے پیچھے چلوں اور چلتا ہی
رہوں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے میری طرف وحی کی گئی ہے

اس مقام سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ ——
قرآنِ حکیم میں ترمیم و تبدیلی یا تنسیخ و تغیر کا اختیار آپؐ کو بھی نہیں تھا، اور نہ ہی
آپؐ اس چیز کے مجاز تھے بلکہ آپؐ کے شرف و مجد کا راز اتباعِ قرآن میں مضمر تھا۔

یعنی آپؐ کتاب اللہ کے کامل طور پر متبع تھے اور اتباع قرآن ہی وہ اسوۂ رسولؐ ہے
جسے اپنا کر ہر انسان بالعموم اور ہر مسلمان بالخصوص محبوبِ خدا بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ ۴۴/۳ اور ۴۴/۲۱ کے حوالہ جات کی رو سے آپؐ کے بشری وجود کو تو دوام عطا
نہیں کیا گیا لیکن جہاں تک اس ضابطۂ حیات کا تعلق ہے، جس پر عمل پیرا ہونے کے
نتیجے میں آپؐ محبوب خدا بنے تھے، اس کے سلسلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد
ہے:- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۹/۱۵

یعنی یہ ذکر (قرآن حکیم) ہم ہی نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی
حفاظت کرنے والے ہیں۔

گویا قرآن حکیم جو آنحضورؐ کے لئے بھی امام و رہنما اور دستورِ حیات تھا اسے محفوظ
رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لے لی ہے تاکہ ہر انسان اس پر عمل پیرا ہو کر
محبوبیتِ خدا کے مقام و مرتبہ کو حاصل کر سکے۔

مَایَکُوْنُ لِیْ

آگے ۱۱ میں دیکھا ہو گا کہ آنحضورؐ کے جواب میں یہ الفاظ آئے
تھے کہ مَایَکُوْنُ لِیْ اس حکیمانہ اندازِ بیان کے سلسلے میں بات
گذارش کئے بغیر آگے گزر جانے کو دل نہیں چاہتا۔

آنحضورؐ نے اپنے آپ کو اتباعِ قرآن کا مکلف اور عامل قرار دیا ہے اور
اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی یا تغیر کرنے کو اپنی شان کے شایان قرار نہیں دیا
الفاظ آئے ہیں مَایَکُوْنُ لِیْ جس کا معنی ہے میرا یہ مقام و مرتبہ نہیں ہے یہ
یہ بات میرے دائرۂ اختیار سے باہر ہے لیکن اس کے لئے جو اسلوب اختیار کیا
ہے وہ ماضی کا (مَا کَانَ لِیْ) نہیں ہے حالانکہ ماضی کا یہ اسلوب بھی خود
قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے۔ اس مفہوم کو مضارع کے اسلوب میں بیان کرنے
کا فائدہ یہ ہے کہ آپؐ نے اس جواب کا تعلق حال و استقبال ہر دو زمانوں سے

حاوی ہو گیا اور اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ میں آج بھی ایسا نہیں کر سکتا کہ خدائی ہدایات و احکامات کو تبدیل کر دوں، انہیں منسوخ کر دوں، ان کی جگہ پر اور احکام لے آؤں۔ اور کل (یعنی آئندہ آنے والے زمانے میں) بھی مجھے ایسا کرنے کا اختیار و منصب حاصل نہیں ہو گا، گویا ایسا کرنا آپؐ کے ـــــ دائرۂ اختیار سے باہر کی بات ہے۔

قرآن اور آنحضورؐ کا باہمی ربط و تعلق

سوال پیدا ہوا کہ آپ کا دائرۂ اختیار ہے کیا؟ اور آپؐ کا اور کتاب اللہ (القرآن) کا باہمی تعلق کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۱۰/۱۵ میں تو پیچھے پیچھے چلتا ہوں اس کتاب کے جو میری طرف وحی کی جا رہی ہے اور سورۃ الانعام میں فرمایا گیا ہے کہ اُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ ۶/۱۹ کہ میری طرف صرف یہی قرآن وحی کیا گیا ہے، گویا وحیِ قرآن کے پیچھے پیچھے چلنا آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام و منصب ہے

خلاصۂ بحث

۱۔ ہر مسلمان بلکہ ہر صحیح المزاج انسان محبوبِ خدا بننے کی اپنے اندر ایک خوابیدہ آرزو رکھتا ہے۔ یہ خوابیدہ آرزو اپنے کمال اور بلوغ کے لئے کسی نمونے یا ماڈل کی محتاج ہے اور اس کیلئے یہ عملی نمونہ آنحضورؐ کی ذات والا صفات ہے۔

۲۔ آنحضورؐ نے جس لائحۂ عمل پر عمل کر کے ـــ محبوبِ خدا بننے کا مقام و مرتبہ حاصل کیا وہ قرآن ہے۔ تو گویا ہم سے براہِ راست تعلق کتاب اللہ (القرآن) کا ہے فلہذا ہر مسلمان کا فرضِ اوّلین یہ ہے کہ وہ معرفتِ رسالت حاصل کر چکنے کے بعد کتاب اللہ کی معرفت حاصل کرے اور اس معرفتِ کتاب اللہ کے بعد اس کے بتائے ہوئے فرائض و واجبات سے عہدہ برآ ہو، تاکہ محبوب بننے کی منزل تک پہنچ سکے۔

II

قارئینِ محترم اُمید ہے کہ گذشتہ صفحات میں تعارفِ رسولؐ کی اہمیت و ضرورت آپ پر واضح ہو گئی ہو گی۔ اب آئندہ صفحات

Marfat.com

میں یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ آنحضورؐ کی آمد سے جو عالم انسانیت پر تعمیری اثرات مرتب ہوئے تھے اور آپؐ تمام انسانیت کے لئے جس طرح ابرِ باراں ثابت ہوئے تھے اس کی کچھ وضاحت ہو جائے

عالمِ انسانیت پر آپؐ کے احسانات

چونکہ ۲۱/۱۰۷ میں آپؐ کے وجودِ اقدس اور پیغامِ مقدس کو تمام عالم انسانیت کے لئے خدائی رحمت قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح ۹/۱۲۸ میں آپؐ کے اسی رحیمانہ کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے اہلِ ایمان کے ساتھ آپؐ کی خصوصی رأفت و رحمت کو بطورِ خاص بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ۳/۱۶۴ میں بھی آپؐ کی بعثت کو تمام اہلِ ایمان کے لئے ایک عظیم الشّان احسان قرار دیا گیا ہے

لہٰذا یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ آپؐ کی آمد سے عالم انسانیت پر کیا کیا احسانات ہوئے۔ آپؐ کے آنے سے عالم انسانیت کو کس طرح فیض پہنچا اور اس کے شرف و مجد کا کس طرح انتظام ہوا۔ انسانیت کے دل کو کون سا صحیح فکر ملا۔ اور اس کے دماغ میں کون سے صحیح اور تعمیری جذبات نے جنم لیا۔ کیونکہ ۴۲/۲۸ میں اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت کے نفوذ کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ بارش کا پانی زمین کے مساموں میں داخل ہو کر زمین کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جگا دیتا ہے اور اس طرح مردہ زمین لہلہاتے ہوئے گلزار کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور رحمت کا لفظ عربی زبان کی رحم سے چونکہ، رحم مادر سے مشتق ہے اور رحم مادر بچے کے لئے پرورش و نگہداشت کا ایسا محفوظ قالب ہوتا ہے۔ کہ جس سے بہتر قالب ابھی تک انسان دریافت نہیں کر سکا۔ اسی قالب میں بچہ اپنے اگلے ارتقائی مرحلہ میں کام آنے والے جسمانی نظام کی تعمیر و تشکیل کرتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بات بھی اہم ہے کہ بچے کو یہ سب کچھ اس کی طلب و درخواست کے بغیر بلا مزد و معاوضہ ملتا ہے ۲۱/۱۰۷ میں چونکہ تمام عالم انسانیت کے لئے آپؐ کی

Marfat.com

رسالت کو رحمت قرار دیا ہے اور رحمت رحمِ مادر سے مشابہ ہے (جیسا کہ اوپر گذر چکا) لہٰذا تمام عالمِ انسانیت کے لئے آپؐ کی رسالت میں شرف و سعادت کا وہ کامل و مکمل قالب پایا جاتا ہے کہ جس سے بہتر قالب کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آپؐ کا احسانِ اوّل

تصوّرِ خدا —

جہاں تک آپؐ کی قرآنی سیرت کے درخشندہ پیکروں، آپؐ کے کمالات اور احسانات کے حصر و استقصاء کا سوال ہے تو یہ ممکن نہیں ۶/۱۵۶ میں آپؐ کی بعثت کا جہاں حضرت موسیٰؑ کی زبان سے تعارف کروایا گیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے، کہ آپؐ کی آمد سے عالمِ انسانیت ان بوجھل زنجیروں اور بیڑیوں سے جن سے اس کے دل و دماغ کی تمام صلاحیتیں جکڑی ہوئی ہوں گی، رہائی پائے گی۔ اور آپؐ اسے تمام اطواق و سلاسل سے نجات دلائیں گے۔

آپؐ نے انسانیت پر جو بہت بڑا احسان کیا ہے وہ مذہب کی دُنیا میں ایک قانون و آئین پسند خدا کا تصوّر ہے۔ آپؐ کی آمد سے پہلے خدا کا تصوّر ایک ایسے شہنشاہ کا تھا جس کے ہاں سے انسان بطورِ استحقاق (AS A MATTER OF RIGHT) کوئی چیز حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کا مزاج بالکل مطلق العنان بادشاہ کا سا تھا جو بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ کبھی تو سلام سے بھی ناراض ہو جاتا ہے اور کبھی گالیوں پر بھی انعام دے ڈالتا ہے، اس موڈی بادشاہ کے بارے میں ہر انسان اور اس کی رعیّت کے ہر فرد پر خوف و دہشت طاری رہتی ہے اور کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی

Marfat.com

عزت و ناموس کا کل کیا حشر ہو گا۔ پھر وہ بادشاہ ایک ایسے دربار کا مالک ہوتا ہے کہ جس کے ہاں مقربینِ دربار سفارش، رشوت اور خدا معلوم کن کن ذریعوں سے اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپؐ کی آمد سے قبل بالکل یہی تصوّر، مذاہبِ عالم میں خدا کے بارے میں پایا جاتا تھا۔ اس کی حمد و ستائش کر کے اس کے ہاں سے خوشنودی پانے کی کوششیں کی جاتی تھیں اس کی رضاء حاصل کرنے کے لئے انسان خونی قربانیاں کرتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسے اس کی خوشنودی حاصل ہو گئی ہے۔ ایسے حالات میں آنحضورؐ نے آ کر قرآنی وحی کی بنیاد پر یہ اعلان فرمایا کہ

خدا قانون ساز بھی ہمیں پابندِ قانون بھی ہے

۲۵/۲ میں ارشاد ہے کہ "بیشک وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہر ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر ہر ہر چیز کے لئے اس کی ایک منزل ٹھہرائی اور ہر منزل اور ہر مرحلہ کے لئے قانون و ضابطہ مقرر کر دیا۔ اور ۶۵/۴ میں یہی بات یوں ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے لئے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں اور اس کے ہاں سے جو کچھ بھی صادر ہوتا ہے وہ انہی پیمانوں کے مطابق صادر ہوتا ہے۔ جہاں تک ان اشیاء کائنات کے علم کا تعلق ہے تو اس کے لئے ۲/۳۱ میں اعلان فرما دیا کہ ہم نے ہر ابنِ آدم کو ان پیمانوں کا علم حاصل کرنے کی استعداد و صلاحیت سے نواز دیا ہے۔ اور اب ہر انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اس استعداد و صلاحیت سے کام لے کر اشیاء کائنات سے پوری طرح فائدہ اٹھائے۔

پھر قرآن نے ایک ایسے خدا کا تصور دیا ہے کہ جو ہر نفس کو اس کی ذاتی کوشش سے کامیاب یا ناکام ہونے کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اور کسی انسان کو بھی

Marfat.com

اس کے ہاں شرفِ باریابی حاصل کرنے کے لئے نہ کسی کی سفارش کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہاں کسی کا کوئی دوسرا شخص کفارہ دے سکتا ہے، اور نہ ہی کسی مجرم کو کسی پہلو سے کوئی اور مدد حاصل ہو سکتی ہے۔ یعنی قرآن نے آنحضور علیہ السلام کی زبان سے انسانیت کو ایک ایسے خدا کا تصوّر عنایت فرمایا جو خالق ہی نہیں بلکہ اشیاءِ کائنات کا آئین ساز اور مقنّن بھی ہے اور اس کے ہاں قدر و منزلت اس قانون و آئین کی پابندی سے ملتی ہے۔ جو شخص بھی اس قاعدے اور قانون کا پابند ہو جاتا ہے اس کے بارے میں $\frac{۲}{۳۰}$ میں واضح طور پر اس بات کی ضمانت دے دی گئی ہے۔ کہ نہ تو اُسے مستقبل کے بارے میں کوئی خوف ہونا چاہیئے اور نہ ہی اسے ماضی میں کئے گئے اعمال پر حزن و ملال میں گھلنا چاہیئے۔

۲۔ ایک ایسے آئین و قانون پسند خدا کا تصوّر دیا کہ جس نے اپنی اصول پسندی کا اعلان کرتے ہوئے $\frac{۵۰}{۲۹}$ میں یہ فرمایا کہ مَیں اپنے قانون کو اپنے لئے بھی توڑنے اور تبدیل کرنے کا روادار نہیں ہوں کیونکہ اس سے بندوں پر ظُلم ہوگا اور ظُلم کرنا میرا شیوہ نہیں۔

۳۔ ایک ایسے اصول پسند خدا کا تصوّر دیا جو اپنی تمام تر قوتوں کے باوجود انسانی دنیا میں انسانوں کے ساتھ کئے گئے وعدوں کا، اور ان وعدوں کے مطابق نتائج و ثمرات پیدا کرنے کا اپنے آپ کو ذمّہ دار اور جوابدہ ٹھہراتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:۔

"بیشک اہلِ تقویٰ کو جو وہ چاہیں گے سب کچھ جزاءِ اعمال کے طور پر ملے گا اور اہلِ تقویٰ کو جزاءِ اعمال کے طور پر یہ سب کچھ دینا ہمارا ایسا وعدہ ہے جس کے بارے میں ہم اہلِ تقویٰ کے سامنے جوابدہ ہیں" $\frac{۲۵}{۱۶}$

Marfat.com

آنحضورؐ نے مذہب کی دُنیا میں ایسا تصوّرِ خدا دیکر ایک انقلاب عظیم برپا کردیا اس سے انسان میں اپنی ذات پر اعتماد پیدا ہو گیا اور اعمال کی جزاء بطورِ استحقاق ملنے کا اس میں شعور بیدار ہوا۔ اور خدا کے ہاں شرفِ باریابی حاصل کرنے کے لئے وہ کسی سفارش یا وسیلے کا محتاج نہ رہا۔ ایک ایسے خدا کا تصوّر جو انسان کے لیے رفیقِ اعلیٰ کا مقام رکھتا ہے اور انسان کو اپنا ناصر و مددگار بننے کی دعوت دیتا ہے۔ اس تصوّرِ خدا سے انسان ہر طرح کے خوف سے آزاد ہوا۔ اور انسان اپنی ذات پر اعتماد کرکے کائناتِ فطرت کو للکارنے اور مسخر کرنے کے قابل ہوا۔

انسان اور کائنات کا رشتہ

آپؐ کی بعثت سے قبل انسانوں کی عجیب حالت تھی۔ انسان ہر نفع اور نقصان کے مظہر کو اپنا دیوتا بنائے بیٹھا تھا۔ وہ گائے، بیل، سانپ، گنگا و جمنا، شمس و قمر، نجوم و جبال جیسے عناصرِ فطرت (جو نفع و نقصان کے مظہر ہیں) کے سامنے گردنِ نیاز جھکائے ہوئے تھا اس طرح اپنے وقت اور صلاحیتوں کو ضائع کر رہا تھا بلکہ اپنی اور ان عناصرِ فطرت کی عدمِ معرفت کی وجہ سے تذلیل کر رہا تھا۔

قرآن حکیم نے آپؐ کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ اعلان کیا کہ اے ابنِ آدم زمین و آسمان میں جو کچھ بھی شجر و حجر، ارض و جبال، شمس و قمر، نجوم و کواکب پائے جاتے ہیں یہ تو سب تیری خدمت کے لئے ہیں۔ یہ سب قوانینِ قدرت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے بے بس قیدی ہیں۔ ان کا کام تیری چاکری ہے۔ جبکہ تجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار و ارادہ کی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اے انسان کائنات کے خزانوں اور قوانین کو معلوم کرنے کی جد و جہد میں استعداد سے اُٹھو اور ان خزانہ قدرت اور اشیاء کائنات سے اپنی خدمت اور چاکری کروا۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے کئی ایک مقامات پر ملائکۂ زمین و آسمان کو آدم کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے پیش کیا ہے، یعنی دیو اور دیوتے جو دوسرے مذاہب میں انسان کے مسجود بنے ہوئے تھے قرآن نے انہیں انسان کا ساجد و خدمت گزار بنا کر پیش کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے ۲/۳۴ ، ۷/۱۱ وغیرہ

مذہبی پیشوائیت کا خاتمہ

آپؐ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو ختمِ نبوّت بھی ہے اور ختمِ نبوّت کا تصوّر اتنے بڑے دُور رس مضمرات رکھتا ہے کہ انہیں ایک مختصر سے مقالے میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ ختمِ نبوت جس کا ذکر ۳۳/۴۰ میں پایا جاتا ہے اس سے ہمارے لئے یہ سبق حاصل ہوتا ہے۔

(۱) اب کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکے گا کہ اس کی معلومات اور ان کا ذریعہ مافوق العقل ہے اور انہیں بلا چون وچراں مان لینا چاہیئے۔

(۲) اب کوئی ایسی شخصیت نہیں ہوگی جو حصولِ علم کے لئے خلق اور خالق کے مابین مبرّا عن الخطا وسیلہ و ذریعہ مانی جائے اس سلسلہ میں اب آخری وسیلہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات تھی اور انسانی زندگی کی مشکلات کے لئے جس بنیادی تعلیم کی خدا کی جانب سے دیئے جانے کی ضرورت تھی، وہ اب آپؐ کے واسطے سے قرآن کی صورت میں انسانیّت کو مل چکی ہے۔

۳ - چونکہ آپ پر نبوّت اپنے کمال کو پہنچ جانے کی وجہ سے ختم ہو گئی لہٰذا اب کوئی شخص، ادارہ، گروہ یا جماعت آپ کی نیابت کا (نبوّت کے پہلو سے) دعوےٰ نہیں کر سکتی۔ ہاں آپ کے پیغامِ رسالت کی پوری اُمّت وارث ہے اور وہ اپنے میں سے جس کو — اصلح اور اتقیٰ سمجھے اسے اپنا امیر و خلیفہ بنا سکتی ہے۔ اس طرح وہ

شخص اُمّت کا امیر اور مسلمانوں کا خلیفہ تو ہو گا لیکن نیابتِ نبوت کا وہ دعویٰ پھر بھی نہیں کر سکے گا۔

گویا کہ اس طرح آپؐ نے ہر شخص کو خدا کی کتاب دے کر خدا سے ہمکلام کر دیا اور اس طرح خلق اور خالق کے مابین حائل مذہبی پیشوائیت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ ہر شخص کے لئے علم حاصل کرنا لازمی ٹھہرایا اور ۳۶/۱۷ کی رو سے ہر انسان کے لئے اس کے اپنے سمع، بصر اور فؤاد کو استعمال کرنا ضروری قرار دیا اور اس طرح اس بات کو انسانی شرف و تکریم کے منافی قرار دیا کہ وہ اندھا دھند کسی ایسی بات کے پیچھے چلے اور اسے ہمیشہ کے لئے اپنے پلے باندھ لے جس کا اسے براہِ راست علم نہ ہو۔

اس طرح آپؐ نے اُس ابنِ آدم کو خود اپنا پیشوا بنا دیا، جو اب تک جھوٹے [illegible] علم و خبر انسانوں کے آستانوں پہ جھک کر اپنی تذلیل کر رہا تھا۔ آپؐ نے اسے اس مقام و مرتبہ سے آگاہی بخشی اور اسے [illegible] انسان کا شرف حاصل کرنے کے لئے آمادۂ عمل ہونے کا ابدی پیغام دیا۔

شورائیت کا قیام

آپؐ نے سیاسی معاملات کو [illegible] ادارہ جائز قرار دیا۔ [illegible] انسانوں کو باہمی صلاح و مشورہ سے اپنے اپنے [illegible] میں اعلیٰ اور اتقیٰ کو منتخب کرنے کی تاکید فرمائی۔ ۳۸/۴۲ میں جماعت مومنین کے اوصاف میں بات فرمائی کہ ان کے معاملات ان کے باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں [illegible] طرزِ حکومت جو شوریٰ کی اساس پر قائم ہو، اسے اس کائنات میں آگے بڑھنے کا یقیناً موقع ملے گا اور ملا ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ [illegible] اپنی زندگی میں جماعت مومنین سے تنظیم و نسق سیاست چلانے کے لئے قدم قدم پر باہمی مشورہ [illegible]

جیسا کہ ۳/۱۵۹ میں تفصیلی ذکر ہے اور اسی شورائیت کی بنیاد کو مستحکم کرنے کے لئے آپؐ کی زبان سے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "بیشک معاملات کو سلجھانے اور نپٹانے کے لئے تم باہمی مشورہ کیا کرو۔ لیکن جب باہمی مشورے سے ایک بات پر پہنچ جاؤ تو پھر اس کی تکمیل کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جاؤ اور نتائج کو خدا کے سپرد کر دو

اقتصادی و معاشی آزادی و مساوات

(۱) آپؐ نے ایک ایسے دور میں جبکہ روٹی کا مسئلہ آج کی طرح کچھ زیادہ پیچیدہ نہ تھا۔ قرآن حکیم کے مقام ۹۰/۱۳ میں اعلان فرمایا کہ انسانیت کے ارتقاء کے راستے میں غلامی ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے اسی لئے آپؐ نے غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے اُمّت پر ٹیکس واجب کیا اور مصارفِ ریاست میں ایک مد غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے مخصوص کی، اور بعض خطاؤں کے کفارے کے لئے بھی غلاموں کی آزادی لازم قرار دی، چونکہ غلامی کا ادارہ ان قیدی انسانوں کی وجہ سے قائم تھا۔ جو جنگوں میں مار دھاڑ کے دوران مغلوب کر لئے جاتے تھے۔ اس لئے آپؐ نے اس سلسلہ میں ۴۷/۴ میں اعلان فرمایا کہ جب جنگ کے دوران فریقِ مخالف کے لوگ تمہارے قبضے میں آ جائیں تو انہیں اس وقت تک اپنے ہاں روکے رکھو جبتک جنگ فیصلہ کُن انداز سے ختم نہ ہو جائے۔ اور جب جنگ ختم ہو جائے تو ان قیدیوں کو از روئے احسان چھوڑ دو اور اگر تم انہیں محسنانہ انداز میں نہ چھوڑ سکو تو کچھ تاوان لے کر انہیں رہا کر دو۔ بہر حال ان قیدیوں کو رہا و آزاد کرنا اور انہیں غلام نہ بنانا تمہارے لئے لازم ہے تم انہیں کسی طرح اپنا غلام نہیں بنا سکتے۔

۲۔ قرآن حکیم نے آپؐ کی زبانِ اقدس سے یہ اعلان فرمایا کہ زمین میں جو کچھ بھی خزانے اور ذخائر پیدا کئے گئے ہیں ان پر تمام ابنائے آدم کا مساوی حق ہے ۴۱/۱۰ قرآن

Marfat.com

سیاسی آزادی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اگر اس کے ساتھ معاشی آزادی اور اقتصادی فارغ البالی و خوشحالی ــــــــ شامل نہ ہو جیسا کہ ۹۰/۱۴ میں ارشاد فرمایا ہے کہ صرف غلاموں کو آزاد کرانا اور مقروضوں کے قرضوں کو ادا کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی لازم ہے کہ انہیں خورد و نوش کے وسائل مہیا کئے جائیں اور ان میں علیحدگی و تنہائی کا احساس پیدا نہ ہونے دیا جائے، پھر آنحضورؐ نے اپنی تربیت سے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں کہ ایک ایک صاحب ایمان ذو اس کردار کا مالک تھا کہ وہ ضرورت مندوں، مسکینوں، محتاجوں اور یتیموں کو خود بھوکا رہ کر کھلانا اپنا فریضہ سمجھتا تھا، جیسا کہ ۷۶/۸-۹ میں مذکور ہے اور وہ ایسا کر کے ان پر کوئی احسان نہیں جتلاتا تھا بلکہ وہ اسے اپنے فرائض کی ادائیگی خیال کرتا تھا اپنی حاجات و ضروریات کو تج کر دوسروں کی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کا آپ نے اپنے رفقاء میں ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ جسے وہ اپنی فلاح کے لئے شرط لازم خیال کرتے تھے۔ جیسا کہ ۵۹/۹ میں تفصیلی ذکر ہے۔

اعترافِ بشریت

آنحضورؐ کی بعثت سے پہلے مختلف مذاہب میں ان کے بانیوں اور داعیوں کا تعارف اس حیثیت سے کروایا جا رہا تھا کہ وہ کوئی مافوق البشر مخلوق ہیں اور انہیں دائرہ انسانیت میں شمار کرنے کی بجائے ان کے رشتے ناطے اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت سے قائم کئے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ آنحضورؐ کی بعثت سے قریب ترین سلسلہ اسرائیلی کے خاتم نبی جناب سیدنا حضرت مسیح ابن مریم کو خدا کا بیٹا یا تین میں سے ایک مانا جا رہا تھا آپ کی والدہ کو خدا کی بیوی یا ایک فرقے کے نزدیک اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم مانا جا رہا تھا۔ رسالت

Marfat.com

کہ ان لوگوں نے بشمول حضور کے انسانی شخصیتوں کو اپنے سے الگ نوعیت کی مخلوق سمجھتے ہوئے ان سے جو کہا سنا تھا۔ عجز و نیاز سے اس کی گردن ان کے سامنے جھک تو جاتی تھی لیکن ان کے بتائے ہوئے دستورِ حیات کو اپنانا ان کے بس میں نہ تھا۔

اسی بات میں حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بشریت کا بار بار اعلان فرمایا جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

کہہ دیجئے کہ میں تو بس ایک بشر تمہیں جیسا ایک انسان ہوں۔

[illegible] نے [illegible] بشر کی حیثیت سے احکامِ الٰہیہ پر عمل کر کے رستے کی مشکلات کو دور کیا اور اپنے پیروکاروں کو فاصلوں کے باوجود قوی اور [illegible] ٹھہرے ہیں [illegible] زندگی [illegible] میں فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا۔ آپؐ نے [illegible] کی حیثیت سے آج سے چودہ سو سال پہلے جہالت و وحشت کے دور میں [illegible] اور ایک مستقل نظریۂ حیات دے کر انسانی تاریخ [illegible] ریاست اور بین الاقوامی انقلاب کے مراحل میں سے [illegible] بشریت [illegible] اور اسے بنفسِ نفیس پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ سب کچھ کیا لیکن نہ الوہیت کا دعویٰ کیا نہ الٰہی صفات کا بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بعد اپنی عبدیت اور بشریت کا اعتراف ہر مسلمان کے لئے کلمۂ شہادت کا جزو بنا دیا۔ آپؐ کی بشریت اور اس تکمیل انقلاب کے حوالے سے جب ہم سوچتے ہیں تو ایک عجیب حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے۔ "تاریخ انسانیت اپنے نامعلوم زمانے سے اب تک کوئی بھی ایسی شخصیت پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۱۔ جس نے یتیمی، غربت اور وحشت و بربریت کے حالات میں آنکھ کھولی ہو
۲۔ تہذیب و تمدن کے مشہور مکاتیب فکر سے کوئی سند حاصل نہ کی ہو

بلکہ ان میں سے کسی ایک میں بھی اس نے حاضری تک نہ دی ہو۔

۳۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر خدا کے حکم سے اہل ایمان کی ایک جماعت قائم کی ہو۔

۴۔ وہ جماعت کی تاسیس، دعوت و تبلیغ، ہجرت و جہاد و فتح و انقلاب کے ہر ہر مرحلہ میں خود شریک رہا ہو۔

۵۔ اس نے اپنی زندگی میں اپنے نصب العین کو ہر پہلو سے ایک جیتے جاگتے معاشرہ میں نافذ ہوتے دیکھ لیا ہو۔

۶۔ اس نے اپنے ان مخالفین کو جنہوں نے اسے ذہنی و قلبی اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی جنہوں نے اسے اپنے محبوب ترین مولد و مسکن سے ہجرت پر مجبور بھی کیا ہو لیکن یہی لوگ فتح و انقلاب کے بعد جب مفتوح ہو کر سامنے آئے ہوں تو کامل قدرت و اقتدار کے باوجود ان سے ذاتی انتقام لینے کی بجائے انہیں عفو عام سے نوازا ہو۔

ہمارا چیلنج ہے کہ تاریخ قدیم وجدید کے تمام انبار کھنگال ڈالو اور کوئی بھی ایسی شخصیت ہمارے سامنے لے آؤ لیکن یقین رکھو کہ ایسی شخصیت اس کائنات میں سوائے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات کے ہے ہی نہیں۔

Marfat.com

تعارفِ قرآن
بزبانِ قرآن

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۚ ۱۲

یہ اس کتاب کی آیات ہیں۔ جو خود اپنے
آپ کو کھول کھول کر بیان کرتی ہے

قرآن کا امتیاز

اس وقت روئے زمین پر جتنی بھی مذہبی کتابیں موجود ہیں ان میں سے اکثر کے بارے میں تو یہ متعین طور پر بتانا بھی مشکل ہے کہ پہلے پہل وہ کس زبان میں تحریر کی گئی تھیں۔ پھر یہ معلوم کرنا کہ وہ اپنے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے تک کے زمانہ میں کن کن حوادث سے دوچار ہوئی ہیں۔ اور ان حادثوں نے ان کے متن اور ترجمہ پر کیا کیا اثرات ڈالے ہیں۔ خاصہ مشکل کام ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اس ذات کی لکھی ہوئی نہیں ہے جس کی طرف وہ منسوب ہے، حتیٰ کہ اتنا بھی ثابت نہیں ہوتا کہ کم از کم وہ اس ذات نے اپنی ہدایات کے ماتحت لکھوائی ہو جس کی طرف وہ منسوب ہے اس کے برعکس قرآنِ حکیم کی انفرادیت اور امتیازی شان بڑی ہی یکتا ہے۔ یہ اپنی زبان کا خود تعارف کرواتا ہے جس ذاتِ والا صفات کی جانب سے آیا ہے اس کا۔ جس کے واسطے سے آیا ہے اس کا، جن کی طرف نازل ہوا ہے ان کا۔ اور جس مقصد و ضرورت کے لئے اسکا نزول ہوا ہے ان میں سے ایک ایک سوال کا یہ خود جواب دیتا ہے۔

یہ ایک ایسی کتاب ہے جو اپنا کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے پیش نہیں کرتی اور یہی وہ کتاب ہے جو انسانیت کے دورِ بلوغ کے تقاضوں کا بھرپور طور پر جواب دینے کا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ کتاب سائنس کے نت نئے حقائق کے انکشاف سے گھبرانے کی بجائے انہیں خوش آمدید کہتی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ نوعِ انسان کے بڑھتے ہوئے سائنسی انکشافات اس کے بتائے ہوئے حقائق کی تصدیق کریں گے اور اسی کے سایہ میں کاروانِ

انسانیت آخر کار پناہ پائے گا۔ اس کتاب کا، کتاب ناطق ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور یہ انسانیت کے تمام گروہوں کے لئے ہادی و راہنما ہونے کی مدعی ہے۔

کتاب خدا ہونے کا دعویٰ

جب ہم اس کتاب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ کس کی جانب سے اور کس کے حکم و منشاء کو پورا کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، تو وہ اس کا جواب یوں دیتی ہے۔

تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۴۱/۲

اس کا نزول اس ذات کی طرف سے ہوا ہے جو رحمان و رحیم ہے

اور کہیں بتاتی ہے۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۴۰/۲

اس کا نزول اس ذات کی طرف سے ہوا ہے جو انتہائی طور پر قوت و اقتدار کی مالک اور انتہائی طور پر علم کی مالک ہے

کہیں اس کے جواب کے سلسلہ میں یوں ارشاد فرماتی ہے کہ

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۳۹/۱

اس کا نزول اس ذات کی طرف سے ہے جو انتہائی طور پر قوت و اقتدار کی مالک اور انتہائی طور پر حکمت کی مالک ہے

اسی موضوع پر یوں بھی روشنی ڈالتی ہے کہ

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۳۲/۲

اس کتاب کا نزول اس ذات کی طرف سے ہوا ہے جو تمام اقوام عالم اور تمام جہانوں کی جملہ ضروریات اور جملہ تقاضوں کی نشوونما کرنے والی ہے

اپنے لانے والے کا تعارف

جب ہم اس کتاب سے یہ پوچھتے ہیں کہ وہ کس کے واسطے سے خلق تک پہنچی ہے یا مخلوق تک اس کے پہنچانے کا کون ذریعہ بنا ہے تو اس کا بھی جواب دیتی ہے ۔
ارشادِ ربّانی ہے :-

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۲/۴۷

وُہ لوگ جو اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے ۔
اور وہ ان کے رب کی جانب سے حق ہے ۔

یہاں تک کہ قرآن اپنے لانے والے (محمدؐ) کے اس زمانے کے حالات بھی بتاتا ہے جن سے آپؐ نبوّت سے قبل گزر رہے تھے ۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے :-

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۹۳/۶

کیا ہم نے آپؐ کو یتیم نہیں پایا تھا اور پھر آپ کو ہر پہلو سے امن و امان سے رکھا ۔

یعنی ان آیات میں اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ آپؐ نبوّت سے پہلے یتیمی کے حالات وکوائف سے تو گزرے مگر ان حالات کا آپؐ کی شخصیت پر کوئی منفی اثر نہ ہوا
آپؐ کی شخصیت ہی کے بارے میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ آپؐ نبوّت سے پہلے کے ایّام میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے ۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے :-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ
بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۲۹/۴۸

اے رسول آپؐ اس قرآن سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھا کرتے تھے اور نہ ہی اپنے داہنے ہاتھ سے کوئی خط وکتابت کیا کرتے تھے ۔

اور اسی طرح قرآن آپؐ کے بارے میں اس امر کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ آپؐ کو تو اس امر کی کوئی اُمید یا خواہش نہ تھی کہ کتاب کا نزول آپؐ پر ہوگا جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ ۲۸/۸۶

اے رسولؐ آپ کو اُمید نہ تھی کہ آپؐ پر اس کتاب کا نزول ہوگا۔

قرآن حکیم ہی سے اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم کا آپؐ پر نزول بڑا تھکا دینے والا اور صبر آزما مرحلہ تھا۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے کہ

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۷۳/۵

اے رسولؐ ہم عنقریب آپؐ پر ایک بہت بڑی، گرانقدر اور بوجھل ذمہ داری ڈالنے والے ہیں۔

اس مقام تک بیان کئے گئے قرآنی ارشادات سے اس امر کی کچھ نہ کچھ ضرور وضاحت ہو گئی ہوگی کہ قرآن اپنے لانے والے کا مختلف پہلوؤں سے نبوت سے قبل کی زندگی کا بھی تعارف کراتا ہے اور اسی طرح قرآن نبوت کے بعد کی زندگی میں درپیش آنے والے مراحل یعنی دعوت و تبلیغ کا مرحلہ ہجرت و جہاد کا مرحلہ۔ فتح و انقلاب کا مرحلہ، اور پھر بین الاقوامی انقلاب کی طرف آپؐ کی پیش رفت کا مرحلہ ان سب مراحل کو وہ بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے، اور ان جزئی امور پر بھی بڑی تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔

کن لوگوں کی طرف نازل ہوا ہے

جب ہم قرآن حکیم سے پوچھتے ہیں کہ وہ کن لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے یا اس کا دائرہ نزول کہاں کہاں تک پھیلا ہوا ہے؟ تو وہ اس سوال کے جواب میں

Marfat.com

کہتا ہے کہ اگرچہ اس کا نزول اوّلاً عرب قوم کی طرف ہے اسی لئے اس کی زبان بھی عربی ہے لیکن اس کا دائرۂ نزول تمام عالمِ بشریت کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔
جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:۔ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ۷۴/۳۶

یہ قرآن تمام عالمِ بشریت کو بیدار کرنے، خوابِ غفلت سے جگانے، ان کو فرائض و واجبات سے آگاہ کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔

پھر ارشادِ ربّانی ہے:۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۳۴/۲۸

اے رسولؐ ہم نے آپ کو تمام نوعِ انسان کو بشارت دینے اور اسے اسکی ناکامیوں اور خرابیوں پر تنبیہہ کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

گویا کہ پوری عالمِ انسانیت کی جملہ ضروریات اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا قرآن دعویدار ہے۔ یہی وہ دعویٰ ہے جو اس سے پہلے کسی آسمانی و الہامی کتاب نے نہیں کیا، کسی بھی سماوی کتاب نے پوری نوعِ انسانی کو اپنا مخاطب نہیں بنایا اور نہ ہی کسی رسول نے آپؐ سے پہلے پوری انسانیت کی طرف اپنے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

قرآن اور اہلِ علم

قرآن اپنے بارے میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہر وہ قوم جس کے پاس علم ہے یا وہ علم سیکھنا چاہتی ہے وہ اس کی مخاطب ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۴۱/۳

یہ وہ گراں قدر کتاب ہے جس کی آیات کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ یہ عربی قرآن ہر اس قوم کے لئے ہے جو علم رکھتی ہے

گویا کہ قرآن جغرافیائی حدود سے اپنا تعارف نہیں کرواتا۔ بلکہ روئے زمین پر

Marfat.com

جہاں کہیں بھی ایسا گروہ پایا جاتا ہو جو علم سیکھنا چاہتا ہو یا پہلے سے علم رکھتا ہو۔ قرآن اسے اپنا مخاطب بناتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں قرآنِ حکیم اتنا حیران کن دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ابھی کافی مشکل نظر آتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۲۹/۴۹

قرآن کی آیات وہ واضح آیات اور حقائق ہیں جو اہلِ علم کے قلوب و اذہان میں پہلے سے موجود ہیں۔

قرآن کی زبان نزول

قرآن اپنے بارے میں اٹھنے والے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے یوں ارشاد فرماتا ہے:۔ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۱۶/۱۰۳

یہ قرآن ایک ایسی عربی زبان میں نازل ہوا ہے جو انتہائی معیاری ہے اور وہ اپنی فصاحت و بلاغت اور اظہار و اختصار کے پہلوؤں سے ایک کامل زبان ہے۔

قرآن اور اس کے دعاوی

کتاب لاریب | جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو آغاز ہی میں اس کا یہ دعویٰ ہمارے سامنے آجاتا ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۲ یعنی کتاب تو صرف یہی ہے اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے مضامین اور دعاوی میں کوئی بھی، کسی پہلو سے شک و شبہ ہے ہی نہیں۔

مذہبی کتابوں میں جہاں قرآن حکیم کی ادبیت سے پہلوؤں سے انفرادیت جھلکتی ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ اس کی انفرادیت کا غماز ہے۔ کسی کتاب کا یہ دعویٰ نہیں

Marfat.com

ہے کہ وہ ہر پہلو سے ہر شک و شبہ سے بالا ہے یہ صرف قرآنِ حکیم ہی کا اعجاز ہے اور پھر اس نے اپنے اس دعویٰ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اسی دوسری سورۃ میں یوں ارشاد فرمایا کہ اگرچہ میں تو ہر پہلو سے ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہوں، لیکن اگر تمہیں میرے من جانب اللہ ہونے میں شک ہے اور تمہارا خیال ہے کہ میں خدا کی نہیں بلکہ کسی انسانی ذہن کی تخلیق ہوں تو تم تمام انسان ایک دوسرے کے مددگار بنکر میری مثال پیدا کر دکھاؤ اگر تم سب مل کر مجھ جیسی کتاب نہ بنا سکو تو پھر کم از کم میری مختلف سورتوں میں سے کسی ایک سورۃ کی مثل ہی بنا لاؤ۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۲/۲۳

اگر تمہیں اُس چیز (قرآن) کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس کی کسی ایک سورت کی مثل کوئی سورت بنا دکھاؤ اور اسی سلسلہ میں اپنی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے تمام مددگار بھی بلا لو۔

قرآنِ حکیم کا یہ وہ اعجازی اعلان ہے جو چودہ سو سال سے اب تک اس کے نہ ماننے والے کے سامنے پیش ہو رہا ہے مگر انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ قرآن کے اوّلین مخاطب عربوں نے نیزہ و تلوار کی مدد سے تو قرآنِ حکیم اور اس کے ماننے والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا ہر پہلو سے منصوبہ بنایا لیکن وہ اس کی کسی ایک بھی سورۃ کی مثل سورۃ نہ بنا سکے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ

قرآنِ حکیم ہی وہ کتابِ لاریب ہے جسکا دعویٰ ہے کہ وہ نوعِ انسانی کے لئے کتابِ ہدایت ہے۔ یعنی اس کے نزول

Marfat.com

سے اب تک اور تا قیام قیامت کاروانِ انسانیت جن جن مراحل سے گزرے گا اور ہر ہر مرحلے میں جو ضروریات اور تقاضے پیدا ہوں گے۔ قرآن ان تمام مراحل میں تمام انسانیت کے لئے ہادی و راہنما ثابت ہوگا۔ اور کسی دور میں بھی اس کتاب کی جانب سے انسانوں کو مایوسی و نامرادی کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

یعنی قرآن حکیم اپنے بارے میں صرف کتاب ہدایت ہونے ہی کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ یہ اپنے کتاب ہدایت ہونے کے دلائل و شواہد دینے کا بھی اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۲/۱۸۵

رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں اس قرآن کا نزول ہوا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے کتاب ہدایت ہے اور جو اپنے کتاب ہدایت ہونے کے واضح دلائل رکھتا ہے۔

یعنی قرآن حکیم کا یہ بھی ایک اعجاز اور امتیاز ہے کہ یہ اپنے بارے میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرتا جس کے لئے یہ دلیل مہیا نہ کرتا ہو۔

اَلْفُرْقَان

قرآن اپنے بارے میں صرف کتاب ہدایت ہونے اور اپنے پاس دلائل و شواہد رکھنے ہی کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ کتاب فرقان ہونے کا ہے یعنی یہ اتنے جاندار دلائل رکھتا ہے جو اس کے دعاوی کو دوٹوک انداز سے ثابت کرتے ہیں اور اس کے یہ تمام دعوے اپنے دلائل کے زور پر اتنے نکھرے ہوئے انداز میں بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے کہ یہ قرآن کتاب ہدایت ہونے کے دلائل ہی پر مشتمل نہیں بلکہ یہ قرآن فرقان ہے یعنی اس میں فرقانیت بدرجہ

اتم پائی جاتی ہے۔ اس کے کتابِ ہدایت ہونے اور کتابِ ہدایت کے دلائل و شواہد بھی تمام پہلوؤں سے فرقان ہیں۔ فرقان کا معنیٰ ہے وہ چیز جو دو چیزوں کو الگ الگ کر دے ان کو ایک دوسرے سے ایسا جُدا کر دے کہ وہ چیزیں بالکل الگ الگ شان کی مالک بن جائیں۔

کتابِ مُبین

قرآنِ حکیم کا اپنے بارے میں یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ اپنے آپ کو خُود بیان کرتا ہے یہ اپنے لئے کسی وکیل کا حاجت مند نہیں

یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جو خود اپنے آپ کو کھول کھول کر بیان کرتی ہے۔ اور اس طرح یہ ایک ایسی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے جو اپنی ذات میں (SELF EX-PLAINATORY) یعنی اپنے متن و بیان کی خود ہی شارح ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۲۶/۲

یہ اُس کتاب کی آیات ہیں جو اپنے آپ کو کھول کھول بیان کرتی ہے

کتابِ حکیم

یہ قرآنِ حکیم کے امتیازی پہلوؤں میں ایک امتیازی پہلو ہے کہ اس نے اپنے بارے میں کتابِ حکیم ہونے کا دعویٰ کیا ہے

یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے احکام کی حکمتوں کی خود وضاحت کرتی ہے۔ اپنے نزول پانے کی غرض و غایت خود بتاتی ہے اور کسی پہلو سے کوئی دعویٰ نہیں کرتی جب تک اس کے لئے دلیل اور حکمت پیش نہ کر دے۔ اس کا کتابِ حکیم ہونے کا یہ دعویٰ دراصل انسانی بلوغت کے تقاضوں کے پیشِ نظر ہے۔ یعنی بچپن میں بچوں کو صرف حکم دیا جاتا ہے اور وہ بھی حکم ہی کو ماننے کے عادی ہوتے ہیں نہ تو بچے احکام کی حکمت کا تقاضہ کرتے ہیں اور نہ ہی والدین انہیں احکام کی حکمت بتانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جونہی بچوں میں بلوغت کا شعور بیدار ہونے لگتا ہے تو ان میں صرف احکام کو سُنکر آمادۂ عمل ہو جانے کا جذبہ بیدار نہیں ہوتا بلکہ وہ اس امر کا تقاضہ کرنے

Marfat.com

لگتے ہیں کہ انہیں جو چیز کہی جائے اور جو کام ان سے کروایا جائے۔ اس کی حکمت و ضرورت کا انہیں علم دیا جائے اور اسی طرح والدین بھی بالغ بچوں کو مجرد احکام نہیں دیتے بلکہ انہیں بھی یہ خیال آنے لگتا ہے کہ بچوں کو اعتماد میں لیں اور احکام کی حکمت بھی بتائیں تاکہ وہ پورے ذوق و شوق اور تندہی سے ان کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم سے پہلے کی آسمانی کتابیں چونکہ انسانیت کے دور بلوغ سے پہلے مرحلہ سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے ان میں احکام کے ساتھ حکمتیں نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن قرآن حکیم چونکہ انسانیت کے دور بلوغ اور بلوغت کے بعد کے بھی آخری مراحل تک کے لئے کتاب ہدایت ہونے کا مدعی ہے۔ لہذا اس میں کسی باب میں بھی مجرد احکام کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ ہر باب میں احکام کے ساتھ ان کی حکمتیں بھی واضح کی ہیں ۲/۱۲۵ میں جہاں آنحضورؐ کی بعثت کیلئے حضرت ابراہیمؑ نے حضور خداوندی میں دعا کی ہے وہاں بھی آپؐ کے معلم کتاب اور معلم حکمت ہونے کی صاف نشاندہی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ۲/۱۵۱ میں جب دعائے ابراہیمی کے نتیجہ میں آپؐ کی بعثت کا برپا ہو جانا مذکور ہے تو وہاں بھی آپؐ کے معلم کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ معلم حکمت ہونے کو بیان کیا ہے۔ پھر ۲/۱۶۴ میں جہاں آنحضورؐ کی بعثت کو عالم انسانیت کے لئے ایک بہت بڑا خدائی احسان کروانا گیا ہے اور ۶۲/۲ میں جہاں آپؐ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تفہیم کا ذکر ہے وہاں پر بھی آپؐ کے معلم حکمت ہونے کو بہت بڑا فضل و احسان قرار دیا ہے اور تعلیم حکمت ہی کی وجہ سے گمراہیوں سے نکلنے اور نکالنے کو واضح فضل قرار دیا ہے۔

اسی چیز کے پیش نظر قرآن اپنے آپ کو الکتاب الحکیم ۱۰/۱ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ایسے ہی قرآن اپنے اتم کے ساتھ بھی الحکیم ہی کی صفت و شہادت کو پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

Marfat.com

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۳۶/۲-۱

اے سردارِ انسانیت اور مردِ کامل تیرے رسول ہونے پر حکمت والا قرآن گواہ ہے۔

کتاب و حکمت کی وضاحت

کتاب سے مراد احکام ہیں اور حکمت سے مراد ان احکام کا نتیجہ، مقصد، غایت و فلسفہ، لم اور وجہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۲/۱۸۳

اے ایمان والو تم پر روزہ رکھنا ویسے ہی فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی بن سکو۔

تو اس آیتِ جلیلہ کے دو حصے ہیں ایک کُتِبَ سے شروع ہوتا ہے جو کتاب کا پہلو لئے ہوئے ہے یعنی اس حصے میں ایک عمل کی فرضیت اور اس کے حکم کا اظہار ہے۔ یعنی اُمت پر روزے کے فرض کئے جانے کا ذکر ہے۔ لیکن روزہ کیوں فرض کیا جا رہا ہے۔ اس کی حکمت و غایت کیا ہے۔ روزے سے کیا نتیجہ برآمد ہونا چاہیئے۔ اس کو اس آیت کے دوسرے حصے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں ظاہر کیا گیا ہے یعنی روزے سے مقصود بھوک اور پیاس میں مبتلا کرنا نہیں۔ بلکہ جوانمردی، ثابت قدمی اور استقلال جو زندہ قوموں کا لازمی شعار ہے اور جس کے بغیر کوئی قوم اپنی زندگی و کرامت کا دفاع نہیں کر سکتی۔ وُہ وصف اُمت میں پیدا کرنا مطلوب ہے اسے ہی یہاں پر تقویٰ سے تعبیر کیا ہے۔

اسی امر کی وضاحت کے لئے ہم ایک دوسری مثال پر غور و خوض کرنے کی

Marfat.com

دعوت دیتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :-

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۲۹/۴۵

اے مومنِ قرآن تُو اقامت صلوٰۃ کر بے شک اقامت صلوٰۃ فحشا اور منکر سے روک ڈالتی ہے۔

اس مقام پر بھی دو پہلو مذکور ہیں۔ پہلے اقامت صلوٰۃ کا حکم ہے، اس کے بعد اس حکم و عمل کی مقصدیت یا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے نشے والوں کو نشہ کی حالت میں صلوٰۃ ادا کرنے سے روک دیا ہے اور نشہ قرآن کی اصطلاح میں وہ حالت ہے جس میں کہنے والے کو اپنے قول کا علم و شعور نہ ہو، خواہ یہ حالت کسی نشہ آور چیز سے پیدا ہو یا ہیجان کی جذبیت سے۔ کیونکہ ایک ایسی حالت میں جبکہ کہنے والے کو اپنے قول کا شعور و ادراک ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ اس پر عمل کرنے یا اس کی ذمہ داری لینے یا ذمہ داری نبھانے کا اہل کیسے ہو سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بچے پاگل اور دیوانے انسان کو کسی بھی قانونی نظام میں اعمال و افعال کا ذمہ دار اور جوابدہ قرار نہیں دیا جاتا۔

خلاصۂ بحث یہ کہ قرآن حکیم تمام ابنائے آدم کو بالغ و باشعور سمجھتا ہے۔ اسی لئے احکام کے ساتھ ساتھ حکمتیں بھی بتاتا چلا جاتا ہے۔

کتابِ نور

قرآن حکیم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نور بتاتا ہے جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے :-

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۵/۱۵

بے شک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور و روشن کتاب مبین آ گیا۔

چونکہ کتاب اللہ نُور ہے اور وہ بھی واضح نُور، لہذا یہ کسی خارجی دلیل یا شہادت کی محتاج نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :-

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۵ ۱۷۴

اے سب انسانو تم سب کی طرف اللہ کی جانب سے بڑی ہی مضبوط دلیل آچکی، اور ہم نے تم سب کی طرف ایک واضح نُور نازل کر دیا ہے۔

چونکہ کتاب اللہ کا دعویٰ ہے کہ وہ نہ صرف نور ہے بلکہ واضح نُور ہے اور اہلِ علم جانتے ہی ہیں کہ نُور اپنی دلیل خود ہوتا ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ اگر نُور اپنی نُورانیت کو ثابت کرنے کے لئے کسی اور چیز کا محتاج ہو تو وہ نُور، نُور ہی نہیں رہتا۔ نُور خواہ کسی کیفیت یا کمیت میں کیوں نہ ہو وہ اپنے ظہور کے لئے خود مکتفی ہوتا ہے۔ چونکہ کتاب اللہ نے اپنے آپ کو نُور کہا ہے۔ لہذا یہ بھی اپنی نورانیت کے لئے کسی اور کی محتاج نہیں۔ البتہ جس طرح کوئی بھی نُور کسی نہ کسی طریقہ کار (PROCESS) کا متقاضی ہوتا ہے اور اس کے بغیر اس کا نُور اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتا۔ اسی طرح اس کتاب کا نور بھی اپنا ایک خاص طریقہ کار، ایک خاص تکنیک، اور ایک خاص نظام رکھتا ہے۔ اور اس کی نورانیت سے فیض یابی کے لئے اس طریقہ کار اور تکنیک کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔

کتابِ مفصّل

عام طور پر تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن ایک مجمل کتاب ہے اور اس کے بعض مقامات گول مول ہیں اور اس کی متشابہ آیات میں شبہ کی گنجائش پائی جاتی ہے لیکن کتاب اللہ کا خود اپنا دعویٰ اس سے مختلف نوعیت کا ہے، جب اس کا دعویٰ ہے کہ

Marfat.com

یہ کتاب اوّل سے آخر تک کتاب لاریب ہے ۲/۲۔ تو اب اس کی متشابہ آیات کا معنی شبہ والی آیات کرنا اس کتاب میں باہمی تضاد (SELF CONTRADICTION) کو تسلیم کرنا ہے۔ اور قرآن حکیم کے مضامین میں داخلی تضاد یا تخالف کو تسلیم کرنا اسے کتاب اللہ کے مقام سے گرا کر انتہائی پست اور کوتاہ فہم و علم مصنف کی تصنیف قرار دینا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۴/۸۲

کیا یہ لوگ قرآن پر تدبّر نہیں کرتے بیشک اگر یہ قرآن ۔ اللہ کی بجائے کسی اور کی جانب سے ہوتا تو اس میں اختلاف ہی اختلاف پایا جاتا۔

لیکن چونکہ یہ کلام اللہ ہے لہذا اس میں ادنیٰ نوعیت کا بھی اختلاف نہیں ۔

جہاں تک کتاب اللہ کے مجمل یا مفصّل ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں کتابُ اللہ کا اپنا فیصلہ یہ ہے :۔

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ۶/۱۱۴

کیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو اپنے لئے بطور حکم پسند کروں ۔ حالانکہ وہ تو تم سب کی طرف ایک گراں قدر مفصّل کتاب نازل کر چکا ہے ۔

اس آیت جلیلہ سے معلوم ہوا کہ اصل حکم اللہ تعالےٰ کی کتاب ہے۔ اور آنحضورؐ بھی اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حکم مانتے ہیں اور کسی اور کو بطور حکم ماننا انہیں گوارا نہیں ۔ پھر دوسری یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ خدا کے حکم ہونے کی اس زمین پر اس کی کتاب نمائندہ ہے ۔ یعنی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کو حکم ماننا دراصل اس کی کتاب کو حکم ماننا، لازم ٹھہراتا ہے۔ آخر میں اس مقام پر اس امر کی بھی خود کتاب اللہ نے وضاحت کر دی کہ وہ مفصّل کتاب ہے۔ یہاں مفصّل کا وصف پوری کتاب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کتاب کا کوئی حصّہ اس سے خارج یا مستثنیٰ نہیں۔ یعنی کتاب اللہ کی سب کی سب آیات مفصّل ہیں، اسی چیز کی وضاحت سورۂ ہود میں یوں فرمائی گئی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:۔

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۱۱/۱

یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی سب کی سب آیات حکمت والی ہیں۔ اور پھر ان آیاتِ حکمت کو ایک علیم و خبیر ذات نے کھول کھول کر اور جدا جدا کر کے بیان کیا ہے۔

ان مقامات سے پتہ چل سکتا ہے کہ کتاب اللہ کا دعویٰ مفصّل ہونے کا ہے اور اسے مفصّل ماننے کی بجائے مجمل یا گول مول کہنا اس کے اپنے بارے میں بتائے ہوئے اوصاف و دعاوی کی نفی کرنا ہے۔

قرآن، کتابِ آسان

جب ہم قرآنِ حکیم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ آسان ہے یا مشکل اور اسے سمجھنے کے لئے کن کن علوم و فنون کی ضرورت ہے، تو وہ اس سوال کا انتہائی عمدگی اور جامعیت سے جواب دیتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ۵۴/۱۷

بیشک ہم نے اس قرآن کو سمجھنے سمجھانے اور اس سے فیضیاب ہونے کے لئے بڑا ہی آسان بنایا ہے۔

Marfat.com

پھر قرآنِ حکیم نے اپنے آسان ہونے کے دعوے کو ایک ہی دفعہ بیان نہیں کیا بلکہ اسے بار بار ایک ہی سورۃ میں ایک سے زائد دفعہ* بیان فرمایا ہے، ان تمام مقامات پر رحمان نے خود انتہائی تکرار کے ساتھ زور دے کر فرمایا ہے کہ قرآن کو جتنا بھی آسان سے آسان بنایا جاسکتا تھا۔ وہ اسے بنا چکا ہے اب جب رحمان قرآن کو آسان بنا چکا ہے۔ تو اب کسی مسلمان کی یہ شان نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ اسے مشکل ٹھہرائے یا اُسے مشکل قرار دے۔

اسی موضوع کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۱۹/۹۷

بیشک ہم نے اے رسولؐ آپ کی زبان سے اس قرآن کے آسان ہونے کا اعلان کرا دیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ متقیوں کو بشارت دے سکیں اور جھگڑالو قوم کو اس کے ذریعے صحیح معنی میں خواب غفلت سے بیدار کر سکیں۔

پھر اسی مضمون کی ۴۴/۵۸ میں یوں وضاحت کی کہ:۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۴۴/۵۸

ہم اس قرآن کو آپؐ کی زبان سے اس لئے آسان ٹھہرا رہے ہیں تاکہ اس کے مخاطب کامل طور پر اس سے فیض یاب ہو سکیں، اپنے لئے شرف و مجد کا پروگرام وضع کر سکیں، اور اس طرح اپنے لئے شہرتِ دوام کا سامان حاصل کر سکیں۔

قرآن اور تدبّر | جب ہم قرآنِ حکیم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اسکے نزول

---

* دیکھئے ۵۴/۱۷ اور اس کے علاوہ ۵۴/۲۲ ، ۵۴/۳۲ اور ۵۴/۴۰

Marfat.com

پذیر ہونے کا کیا مقصد ہے تو وہ منجملہ اور مقاصد کے ایک مقصد یہ بھی بتاتا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ ۳۸/۲۹

یہ وہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپؐ کی طرف نازل کی ہے تاکہ اس کی سب آیات پر اس کے مخاطب تدبّر کیا کریں۔

تو اس مقام سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کا بابرکت ہونا، اس امر کو لازم ٹھہراتا ہے کہ اس کی سب آیات پر تدبّر کیا جائے ان کو غور و خوض کا موضوع بنایا جائے۔ اس کے ایک ایک لفظ اور مقام پر کامل توجہ دی جائے، ایک اور مقام ۴۷/۲۴ میں اس بات کا خدائی اعلان ہے کہ وہ لوگ جو کتاب اللہ پر تدبّر نہیں کرتے وہ مُرتد اور منافق ہوتے ہیں گویا کہ لوگوں میں ارتداد اور نفاق کا مرض اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ کتاب اللہ پر تدبّر کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یا تدبّر کی ضرورت و اہمیت کے مُنکر ہو جاتے ہیں۔

۳۸/۲۹ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پر تدبّر کرنا کسی خاص دَور کے لوگوں کی خصوصیت نہیں، اور نہ ہی یہ کسی مخصوص قسم کے علماء کا فریضہ ہے، اس کے برعکس وہ تمام لوگ جو قرآنِ حکیم کے مخاطب ہیں (اور قرآنِ حکیم کا مخاطب قیامت تک ہر انسان ہے) ان سب کا فرض ہے کہ وہ کتاب اللہ پر تدبّر کریں، اگر وہ تدبّر نہیں کریں گے تو وہ کتاب اللہ کے مقصدِ نزول سے بالکل محروم رہ جائیں گے۔ تدبّر ہی سے قرآنِ حکیم کے وہ مقامات حل ہوں گے جن میں بظاہر ہمیں اختلاف نظر آتا ہے۔ کیونکہ تدبّر ہی کو ۴/۸۲ میں عدمِ اختلاف کا ذریعہ ٹھہرایا گیا ہے۔

قرآن اور اس کی تفسیر

یہ تو ایک جانی پہچانی اور علمی دُنیا کی ایک معروف حقیقت ہے کہ مصنّفِ کتاب سے شارح اور مفسر کا علم یقیناً زیادہ ہوتا ہے اگر مصنّفِ کتاب نبی۔ اے ہو، تو شارحِ کتاب اِس

مضمون کا ایم۔اے ہوتا ہے یا کم از کم بی۔اے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ مصنّفِ کتاب تو ایم۔اے ہو اور اس کی شرح کوئی میٹرک پاس (یا اس سے بھی کم) انسان کرنے لگے۔ اب جب قرآن، اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے اور کسی انسان کا علم (خواہ وہ کتنی ہی عظمت والا کیوں نہ ہو) اللہ تعالےٰ کے علم کے برابر نہیں ہو سکتا، تو کوئی انسان اللہ تعالےٰ کی کتاب کا شارح یا مفسّر ہونے کا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے اللہ تعالےٰ کو اپنا مفسّر قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۲۵/۳۳

اے رسولؐ یہ آپ کے سامنے کوئی اعتراض پیش نہیں کرتے الّا یہ کہ ہم آپؐ کے سامنے حق (قرآن) پیش کر رہے ہیں، اور ہم ہی اس قرآن کی انتہائی احسن متناسب و متوازن اور خوبصورت تفسیر بھی آپ کو بتلا رہے ہیں۔

تو گویا قرآنِ حکیم میں اس کی احسن تفسیر بھی پائی جاتی ہے

قرآن کتابِ محفوظ

قرآن اپنے بارے میں ۱۵/۹ میں دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کتاب تا ابد محفوظ رہے گی اور اس کے متن میں اوّل سے آخر تک کوئی کسی نوعیت کی بھی تبدیلی یا تحریف نہیں ہو سکے گی۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۱۵/۹

بیشک ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

غیر متبدّل کتاب

قرآن اپنے بارے میں یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ صدق و عدل کے پہلوؤں سے یہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے، لہٰذا اب اس کی آیات و کلمات میں کسی نوعیت کی تبدیلی نہیں ہو گی۔

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۵

تیرے رب کے کلمات، صدق و عدل کے اعتبار سے نقطۂ کمال تو جا پہنچے، لہٰذا اب انہیں کبھی بھی تبدیل نہیں کیا جائے گا۔

جمعِ قرآن

جب ہم قرآنِ حکیم سے یہ پوچھتے ہیں کہ اسے کس نے جمع کیا ہے تو وہ اس کا بھی مفصل جواب دیتا ہے، لیکن اس کے مفصل جواب کو زیرِ بحث لانے سے پہلے، ذرا اسے نگاہ میں رکھیے کہ اس سلسلہ میں عام تصور کیا ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ آنحضورؐ کی زندگی میں قرآن جمع نہ ہو سکا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں جنگِ یمامہ میں جب بہت سے قراء شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ کے بار بار توجہ دلانے سے آخر کار حضرت ابوبکرؓ جمع و کتابتِ قرآن پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن قرآنِ حکیم اس ضمن میں یہ جواب دیتا ہے:۔

اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۷۵/۱۷

بیشک اس قرآن کو جمع کرنا اور پھر اس جمع شدہ قرآن کو پڑھا دینا اے رسولؐ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو ایک ترتیب سے جمع کرنا اور اِس خاص ترتیب سے جمع شدہ قرآن کو بہ تمام و کمال پڑھا دینا اللہ تعالےٰ کا وہ فریضہ تھا، جسے اس نے آنحضور علیہ السلام کی زندگی میں پورا کرنا تھا، لہٰذا یہ سمجھنا کہ قرآن آنحضورؐ کی زندگی میں جمع نہیں ہوا تھا، اس بات کے مترادف ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک وعدہ تو کیا، لیکن وہ اپنے وعدے کو پورا کرنے پر قادر نہ ہو سکا، تو اس سے اللہ تعالےٰ کے کامل علم اور کامل قدرت کی نفی ہوتی ہے اور اس کے وعدوں پر کوئی اعتماد نہیں رہتا۔

مقصدِ نزولِ قرآن

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ ۱۴/۱

یہ ایک گراں قدر کتاب ہے جسے ہم نے آپؐ کی طرف نازل کیا ہے
تاکہ آپؐ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر نُور کی طرف لائیں

Marfat.com

مقصدِ نزولِ قرآن

ضرورتِ کتاب

مقصد نزول قرآن سے بحث کا آغاز کرنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی پہلے وضاحت کر دی جائے کہ نفس کتاب کی ضرورت کیا ہے؟ اور انسان کو اس کی احتیاج کس پہلو سے ہوتی ہے؟ کیونکہ جب تک کتاب اللہ کی ضرورت و اہمیت ذہنوں میں واضح نہیں ہوگی اُس وقت تک مقصد نزول قرآن کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دی جا سکے گی لہٰذا ہم پہلے کچھ اُمور کو بطور تمہید تحریر کریں گے تاکہ موضوع کی زیادہ وضاحت ہو سکے۔

امرِ اوّل

انسان کے جملہ قویٰ فطرت کے قانون زوجیت کے ماتحت ہیں۔ انسان کے تمام کے اعضاء اپنی تکمیل اور بلوغ کے لئے خالق فطرت کے مہیا کردہ وسائل اعانت و امداد کے محتاج ہیں۔ اس کی آنکھیں نور آفتاب کے بغیر، کان ہوا اور ارتعاش کے بغیر ناقص رہتے ہیں۔ حاسّہ عقل بھی اپنی محدودیت کی وجہ سے وجدان و حدس کا محتاج ہوتا ہے۔ حواس انسانیہ کی محدودیت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور نازل فرمودہ سماوی ہدایت کا انسان کو محتاج ٹھہراتی ہے۔ اور اس کی اس احتیاج و طلب کا جواب کتاب اللہ کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔

قرآن حکیم اپنے آغاز ہی میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۲ / ۳۸

اے انسانو! تم جس گرداب بلا اور عذاب باہمی میں مبتلا ہو گئے

Marfat.com

ہو اس سے نکلنے کے لئے اب ہماری جانب سے تمہارے
پاس ہدایت و ہادی آتے رہیں گے پس جو لوگ اس ہدایت کی اتباع
کرینگے صرف وہی حزن و ملال اور خوف و رنج سے نجات پائیں گے"

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۳۹/۲

مگر جو لوگ ہمارے ان ہادیوں اور ہماری اس ہدایت کے منکر ہوں گے
اور ان کی تکذیب کریں گے تو وہی لوگ آگ والے ہوں گے اور وہ
اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

قرآن حکیم اپنے ایک اور مقام پر اپنے اس نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے
ارشاد فرماتا ہے:۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ
فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا
۷۶/۲-۳

ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسے مختلف
ارتقائی مراحل سے گذار کر سمع و بصر کا مالک بنایا ہے بیشک ہم
نے اسے اس کی فوز و فلاح اور اصلی منزلِ مقصود کی طرف ہدایت فرما
دی ہے، اب یہ شکر و ایمان اور کفر و طغیان کے راستوں میں سے
جس راستے پر چلنا چاہے، یہ اس کی اپنی مرضی اور اس کی اپنی
صوابدید پر منحصر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ

مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۔ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۸۰/۱۹-۲۰

اللہ تعالےٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا پھر اس کی صلاحیتوں
اور اس میں پوشیدہ نشو و نما کے امکانات کا ایک پروگرام
وضع فرمایا۔

اس پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لئے جن وسائل و ذرائع کی ضرورت تھی وہ بھی سب کے سب پیدا فرمائے، ان کے حصول و استعمال اور اس حصول و استعمال سے پیدا ہونے والے نتائج و ثمرات سے بھی قبل از وقت آگاہ فرمایا۔ گویا کہ منزلِ مراد سے آگاہی اور اس آگاہی کے تقاضوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے وسائل و آلات اور ان سب کا انسان کے لئے مہیا کر دیا جانا رحمٰن نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

ہدایت دینا رحمٰن پر واجب ہے

انسانوں کی کامیابی و کامرانی کے وسائل پیدا کر دینا ہی رحمٰن کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اس خالق نے اس امر کو بھی اپنے اوپر واجب ٹھہرایا ہے کہ وہ انسان کو اس امر کی ہدایت عطا فرمائے کہ اسے اس عالم کون و فساد میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد اولین کیا ہے؟ یہ مقصد بہترین انداز میں کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ مشین کو مشین ساز سے بڑھ کر کوئی بھی جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ انسان بھی خالق انسان کی پیدا کردہ مخلوق ہے۔ لہٰذا جتنا اسے اس کا خالق جانتا ہے اتنا خود انسان بھی اپنے آپ کو جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۔ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۞ ٦٧/١٤

کیا بھلا خالق حقیقی ہی اپنی مخلوق کو نہیں جانتا ہو گا حالانکہ وہ تو انتہائی طور پر باریک بین اور انتہائی طور پر باخبر ہے۔

لہٰذا خالق ارض و سما، انسان کا خالق ہونے کے ناطے سے انسان کی پوری شخصیت سے مکمل طور پر باخبر ہے اور وہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ انسان کا مقصد تخلیق کیا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۵۱/۵۶

میں نے جن و انس کو اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری ہی عبودیت کیا کریں۔

گویا عبودیتِ رب ہی وہ واحد نصب العین ہے جس کے لئے انسان اس عالمِ کون و فساد میں بھیجا گیا ہے۔ انسان کیلئے اس حیاتِ ارضی کا موقع اور اس حیاتِ ارضی کے یہ چند مگر گرانقدر لمحات بے پناہ معنویت رکھتے ہیں۔ اگر انسان اپنی اس غایتِ تخلیق کو اپنا لے اور اس طرح اپنے اس عبودیتِ رب کے فریضہ سے باحسن طور پر عہدہ برا ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں انسان خلود و دوام کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ اس غایتِ تخلیق کو اپنانے میں ناکام رہا، تو اس کے لئے اگلے ارتقائی مراحل میں قدم رکھتے ہی رکاوٹوں اور مزاحمتوں کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائیگا جسے عبور کرنا انتہائی دشوار گزار اور کٹھن مرحلہ ہوگا۔

عبودیتِ رب کیلئے ہدایت

عبودیتِ ربّ جو انسان کا حقیقی نصب العین ہے اس سے عہدہ برا ہونے کے لئے جس نوعیت کی ہدایت و راہنمائی کی ضرورت ہے عقلِ انسانی بھی اس کی ضرورت و افادیت کا اقرار کرتی ہے مگر مجرّد عقلِ انسانی اپنے اس اقرار و اعتراف سے انسان کو آمادۂ عمل نہیں کر سکتی۔ عقلی طور پر اس ضرورت کو مان لینے کے باوجود انسان عبودیتِ ربّ کے راستے پر چلنے اور اس راستہ میں پیش آنے والی مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ ہچکچاہٹ محسوس کرتا رہتا ہے اور عقلاً ایک چیز کا اعترافِ لسانی کر لینے کے باوجود عملاً اس جادۂ مستقیم پر

چلنے کا اپنے اندر عزم راسخ نہیں پاتا۔ انسانی عقل کی اس کمزوری اور اس کے عزم و ارادہ کی اس عدم صلابت کا تدارک، وحیِ آسمانی کرتی ہے۔ یہ وحی آسمانی انسان کے اندر عزم و یقین کا نور پیدا کر کے اسے دشوار گذار گھاٹیوں کو عبور کرنے کا حوصلہ بخشتی ہے۔ انسان، وحیٔ رحمٰن کے آبِ زلال سے سیراب ہو کر اپنی طبعی تشنگی و عقلی پیاس کو بجھا لیتا ہے اور یوں وہ ہر طرح کے حرص و لالچ سے اپنے آپ کو پاک کر کے پورے عزم و یقین سے لقاءِ رب کی منزل کی جانب رواں دواں ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم اس سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ سے سوال کیا:۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۲۰/۵۰

(فرعون نے سوال کیا) پس اے موسیٰؑ تمہارا رب کون ہے؟ اس کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ہر چیز کو اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اسے اپنی غایتِ مقصود اور منزلِ مراد کی ہدایت و راہنمائی بھی عطا فرما دی ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر قرآن حکیم یوں ارشاد فرماتا ہے:۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۹۲/۱۲

بیشک انسانوں کو ہدایت عطا کرنا ہمارے ذمہ واجب ہے۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ارشاد کا آسمانی سلسلہ قائم ہی اسی لئے کیا ہے کہ وہ اس ذریعہ ہدایت سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اسی طرح سلسلۂ نبوت و رسالت کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے:۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۴/۱۶۵

Marfat.com

ہم نے رسولوں کو کامیابیوں اور کامرانیوں کی بشارت دینے اور ناکامیوں اور نامرادیوں سے خبردار کرنے کے لئے اسی لئے بھیجا تھا کہ رسولوں کی اس بعثت کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر الزام لگانے اور اس کے سامنے حجت بازی کرنے کا کوئی امکان نہ رہے اور اللہ تعالےٰ تو ہے ہی کامل عزت اور کامل حکمت کا مالک۔

ماقبل بحث سے پتہ چلا کہ انسانوں کی تخلیق کا بنیادی سبب اور اصل نصب العین اللہ تعالیٰ کی عبودیت و عبادت ہے اور سلسلۂ نبوت و رسالت اسی ضرورت کو پورا کرنے یا انسان کو مقصدِ تخلیق سے آگاہ کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ نبوت و رسالت کے قیام سے مقصود یہی ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالےٰ پر الزام لگانے یا اس کے سامنے حجت بازی کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

II امرِ دوم ——

مقاصدِ نزول کو جاننے کی ضرورت

اب ہم اس امر کی جانب بڑھتے ہیں کہ مقاصدِ نزولِ قرآن کو جاننے کی ضرورت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ہر چیز کی اپنی کوئی نہ کوئی غایت ہوتی ہے، کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ چیز معرضِ وجود میں آتی ہے اور اس مقصد اور غایت کو جتنا اس چیز یا کام کا فاعل جانتا ہے کوئی اور اتنا جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اب قرآنِ حکیم جب عالمِ امر سے عالمِ خلق تک پہنچا ہے تو لازماً اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہو گا۔ اور خالق کے سامنے اس کے نزول کی یقیناً کوئی نہ کوئی ضرورت یا افادیت ہو گی۔ اور اس ضرورت و افادیت اور مقصد و سبب کو جاننا اس لئے اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جس دور میں ہم زندگی گذار رہے ہیں اس میں قرآنِ حکیم مسلمانوں کے ہاں اپنے حقیقی مقام و مرتبہ پر فائز نہیں رہا۔ اسے

Marfat.com

اس کی امامت و پیشوائیت کے مقام سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اسے سوچ سمجھ کر پڑھنے اس پر تدبّر و تفکّر کرنے۔ اس کی حکمتِ بالغہ کی ٹوہ لگانے اور اس طرح اس تفکّر و تدبّر سے حاصل ہونے والے نتائج و ثمرات سے اپنی انفرادی ذات اور اجتماعی سوسائٹی کو آراستہ کرنے اور قالبِ قرآنی کے مطابق اپنے انفرادی و اجتماعی وجود کو تشکیل دینے کا داعیہ و جذبہ تقریباً ناپید سا ہو گیا ہے۔ اس کے مقاصدِ نزول میں سے بہت بڑا مقصد تو اب عوام کے نزدیک ہی نہیں بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے خواص کے ہاں بھی یہ رہ گیا ہے کہ جو سورہ اس کی تلاوت کر لی جائے۔ مختلف تقریبات اور مواقع پر اس کی آیات کو پڑھ لیا جائے۔ مُردوں کو ثواب پہنچانے کے لئے بلا سوچے سمجھے اس کے ختم کروا لئے جائیں۔ اس کی سورۃ یٰسین اور سورۃ الملک وغیرہ کی ——— حالت نزع میں اس لئے تلاوت کی جائے کہ مرنے والے کا دم آسانی سے نکل سکے، بلکہ ہمارے ہاں تو یہاں تک اجازت دے دی گئی ہے کہ قرآن کے صفحات اور الفاظ پر صرف انگلیاں پھیرنے سے بھی ثواب مل جاتا ہے اور معنیٰ یا مفہوم سمجھ میں آئے یا نہ آئے جو سورہ الفاظ کو دہرا دینے ہی سے ثواب حاصل ہو جاتا ہے اور اس امر کے قائل افراد بطور دلیل اس امر کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھو ——— الٓمٓ اور اس جیسے دیگر حروف مقطعات کا باوجود یکہ ان کے معانی اب روئے زمین پر کوئی بھی نہیں جانتا، مگر ان الفاظ کو ادا کرنے سے ثواب مل جاتا ہے اور الٓمٓ کہنے والے کے نامۂ اعمال میں تیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اب ایسے حالات اور ایسے ماحول میں یہ جاننا انتہائی اہم ہو جاتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ سے پوچھا جائے کہ اس نے قرآن حکیم سے عالم انسانیت کو کیوں نوازا ہے؟ اس نے اسے کس مقصد کے پیشِ نظر عالم خلق تک پہنچایا ہے؟ اور یہ کہ قرآن حکیم زندوں کے لئے نازل ہوا ہے یا مُردوں کے لئے۔

Marfat.com

قرآن، زندوں کیلئے

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ قرآن حکیم زندوں کے لئے نازل ہوا ہے یا مُردوں کے لئے۔ تو اس بارے میں قرآن حکیم کا موقف بڑا واضح ہے، افسوس ہے کہ جس سورۃ جلیلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان ہوا ہے کہ قرآن، زندوں کے لئے نازل ہوا ہے اور زندہ ہی اس سے فیضاب ہو سکتے ہیں اسے ہی ہماری بد قسمتی سے، مُردوں کے لئے مخصوص کر لیا گیا ہے یا عالم نزع سے نکالنے کے لئے اس کے ورد کو نافع سمجھ لیا گیا ہے اس سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے :-

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا ۳۶/۶۹-۷۰

یہ تو صرف ایک یاد دہانی اور واضح قرآن ہے اور یہ اس غرض کے لئے نازل ہوا ہے کہ آگاہ و بیدار کرے اور اس کی یہ آگاہی و بیداری صرف اس کے لئے فائدہ بخش اور نافع ہے جو زندہ ہو یا جس میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہو یا جسے زندگی کی طلب و تلاش ہو۔

تو گویا قرآن حکیم کا تمام تر خطاب زندوں سے ہے اور جہاں تک مُردوں کا تعلق ہے تو انہیں تو آنحضورؐ بھی سنانا چاہیں تو نہیں سنا سکتے ارشادِ ربانی ہے :-

مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۳۵/۲۰

اے رسولِ محترم جو لوگ قبروں میں جا چکے ہیں انہیں تو آپؐ بھی نہیں سنا سکتے"

اور عالم قبر میں اوّلاً تو سننا ممکن ہی نہیں اور اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے کہ کوئی سن سکتا ہے تو تب بھی سننا نافع نہیں کیونکہ اس عالم میں

Marfat.com

ھُنے پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے موت کے وقت کے ایمان اور توبہ کو قابلِ قبول نہیں مانا کیونکہ اس وقت اصلاح اور عمل کا موقع باقی نہیں رہتا۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

توبہ اور موت | لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ ٤/١٨

ان لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں ہوتی جو لوگ گناہ کے کام کرتے رہتے ہیں اور جب انہیں موت آ دبوچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اب توبہ کر لی۔

یعنی موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ توبہ کے بعد اصلاح کی ضرورت ہے اور اصلاح کے لئے وقت درکار ہے اور اب وقت اور فرصت کا وقفہ موت کے ساتھ ختم ہو رہا ہے اس لئے موت کے وقت کی توبہ عند اللہ قبولیت حاصل نہیں کرتی

ایمان اور موت | جہاں تک موت کے وقت ایمان لانے کا تعلق ہے تو یہ بھی عند اللہ مقبول نہیں ہے۔ فرعون لعین کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۔ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ١٠/٩٠-٩١

یہاں تک کہ جب فرعون کو غرق آب ہونے کا یقین ہو گیا تو وہ لگا کہنے کہ میں اس اللہ پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے اور جس پر بنی اسرائیل ایمان لا چکے ہیں ا

Marfat.com

میں اہلِ اسلام میں سے ہو جانے کا بھی اعلان کرتا ہوں تو اللہ تعالےٰ نے اسے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اب تو ایمان اور اسلام کا اعلان کرتا ہے حالانکہ اس سے قبل تو، تو مسلسل نافرمانیاں کرتا رہا ہے اور تو تو بڑے بڑے فسادیوں میں سے ایک تھا۔

معلوم ہوا کہ موت کے وقت ایمان ہو یا اسلام یا توبہ ان میں سے کوئی چیز بھی عنداللہ مقبول نہیں ہوتی۔ وجہ وہی کہ عمل کا وقفہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ تو اب اگر کوئی شخص موت کے وقت قرآنِ حکیم سن بھی لے اور اس کے کان میں اوامر و نواہی کی آواز پڑ بھی جائے تو کیا فائدہ ——؟

مقصودِ کلام یہ کہ قرآنِ حکیم زندوں کے لئے ہے اور ان زندوں ہی کی زندگیوں میں صلاح و فلاح کا صور پھونکنا اس کا مقصود ہے۔ گویا کہ جسمانی و طبعی حیات سے متصف انسانوں میں جوہرِ انسانیت کی نمود و بالیدگی پیدا کرنا اور ان میں ایمان و اخلاق کی زندگی پیدا کرنا قرآنِ حکیم کا اصل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم اہلِ ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

حیاتِ نو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ ۲۴

اے ایمان والو جب تمہیں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے بلاوا آیا کرے تو فوراً لبیک کہا کرو۔ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا کرو تاکہ اس طرح تمہیں حیاتِ نو حاصل ہو سکے“

گذشتہ بحث سے اس امر کی وضاحت ہو گئی ہے کہ قرآنِ حکیم زندوں کے لئے نازل ہوا ہے۔ مُردوں سے قرآنِ حکیم کا خطاب ہے ہی نہیں، جو لوگ جسمانی و طبعی طور پر زندہ ہیں، انہیں ہی قرآنِ حکیم ایمان لانے کے بعد جوہرِ انسانیت،

اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ الٰہیہ کی رو سے زندہ کرنا چاہتا ہے اور بس۔

اختلافات کے لئے حکم

جہاں تک مقاصدِ نزولِ قرآن کا تعلق ہے تو قرآن حکیم کی رو سے اس کا پہلا اور بنیادی مقصد تو یہ ہے کہ یہ اپنے ماننے والوں کو بالخصوص اور تمام مخاطب انسانوں کو بالعموم تمام قسم کے اختلافات سے باہر نکالنا چاہتا ہے۔ ماضی میں مذاہب اور ملل (خواہ ان کا تعلق کسی بھی تہذیب و تمدن اور فلسفہ و مذہب سے کیوں نہ ہو) کے ہاں پائے جانے والے اختلافات کے اسباب و وجوہ سے پردہ اٹھاتا ہے اور اس طرح ان کا ایسا حل بتاتا ہے جو عقل و منطق کی رو سے قابلِ تسلیم ہی نہیں ہوتا بلکہ عقل و منطق کی رُو سے بھی اس سے بہتر کوئی اور حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور پھر اس کے حل کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اگر تعصب اور بے جا حمایت و جانبداری کا انسان میں مرض نہ ہو، وہ قلبِ سلیم اور عقلِ صالح لے کر خود بھی غور کرے۔ تو اس کا دل و دماغ پکار اٹھتا ہے کہ اس سے بہتر حل ممکن ہی نہیں۔ اس طرح اس میں ایمان و عقیدہ کی ایسی پختگی پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کے نتیجے میں اس کی اپنی زندگی تضاد و تزاحم سے پاک ہو جاتی ہے اور اس طرح فکری و نظری اختلافات کے پیدا کردہ شکوک و شبہات اور ان سے پیدا شدہ بے یقینی، بد اعتمادی اور نا اُمیدی کا بھی خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم، انسانوں کے اُمتِ واحدہ کے مقام سے ہٹ جانے کے بعد کے دور پر محاکمہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ
أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى
اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ط
وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۲/۲۱۳

انسان سب کے سب اپنی اصل و بنیاد کے اعتبار سے ایک ہی اُمّت اور ایک ہی نوع ہیں (مگر اس کے باوجود ذاتی مفادات کی وجہ سے ان میں اختلافات پیدا ہو گئے اور اس طرح ان میں بغض و عداوت کی وجہ سے دُشمنی و عناد اور تخالف و تزاحم کی فضا پیدا ہو گئی ۱۰/۱۹) پس ان کے اس اختلاف و عداوتِ باہمی کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا کہ وہ وحدت و اتحاد، امن و سلامتی اور اُخوّت و مساوات کے خوشگوار اور مثبت نتائج کی بشارت دیتے تھے اور اختلافات و نزاعات سے پیدا ہونے والے تباہ کُن نتائج و ثمرات سے خبردار کرتے تھے اور ان تمام نبیوں کے ساتھ (ان کے اپنے اپنے وقت پر) اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطۂ قوانین اور ایک کتابِ آئین نازل فرمائی تھی۔ تاکہ وہ کتابِ آئین لوگوں کے ہاں پیدا شُدہ اختلاف کا محکم حل بتا دے، ان کے اختلافات کے فیصلے کر دے۔ پھر اس کے بعد اس کتابِ خدا کو ماننے والوں نے علمِ برحق اور حُجّتِ خدا کے آجانے کے باوجود اختلافِ باہم پیدا کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تمام اختلافات کی لِم اور وجہ سمجھا دی اور اس طرح انہیں ان اختلافات سے نکال کر یقین و

Marfat.com

اعتماد کی مرکزی شاہراہ پہ گامزن کر دیا۔

گویا ضدّ و عناد کی وجہ سے انسانوں کے مختلف گروہوں اور طبقوں میں جو جو اختلافات پیدا ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کا صحیح ترین حل بتانا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے اور وہ اپنی یہ ذمہ داری اپنی کتاب کے واسطے سے ادا کیا کرتا ہے۔

اسی طرح قرآنِ حکیم نے اپنے اسی مقصدِ نزول کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:- تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ١٦ / ٦٣-٦٤

ہمیں اپنی ذات کی قسم کہ بیشک ہم نے اے رسولِ محترم آپ سے پہلے بیشمار امتوں کی جانب بھی اپنے پیغمبر بھیجے تھے۔ پھر انہیں شیطانی جذبات اور شیطنت صفت لوگوں نے ان کے اعمالِ بد کو بڑا ہی حسین و جمیل بنا کر دکھایا اور اس طرح وہ ان اعمالِ بد کے مسلسل عادی بن گئے اور اس طرح انہیں ان فساد پرور اعمال سے دلی لگاؤ اور انسی محبت ہو گئی۔ پس وہی شیطانی جذبات اور انہی اعمال آج بھی ان اقوام و امم پر مسلط ہیں اور انہیں کی وجہ سے وہ آج بھی مبتلائے عذاب ہیں اور ہم نے اے رسولِ محترم آپ پر قرآن جیسی عظیم القدر کتاب اسی لئے تو عنایت فرمائی ہے کہ آپ تمام اقوام و ملل کو ان کے ہاں پیدا شدہ اختلافات کی حقیقت و ماہیت خوب کھول کھول کر بیان فرما دیں اور ہماری یہ کتاب تمام اقوام و ملل کے فیصلوں ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں اہلِ ایمان کے لئے

منزلِ مراد تک پہنچنے کی مکمل راہنمائی اور راستے میں پیدا ہونے والی تمام مشکلوں اور مزاحمتوں سے مکمل بچاؤ اور کامل حفاظت کا سامان بھی موجود ہے۔

گویا کہ قرآنِ حکیم سے قبل جتنی بھی رسالتیں آچکی تھیں اور جتنی بھی مختلف رسولوں کو ماننے والی اُمتیں تھیں اور ان کے ہاں مختلف دائروں میں جتنے بھی اختلافات نزولِ قرآن کے وقت پائے جاتے تھے، ان کے صحیح ترین حل قرآنِ حکیم میں موجود ہیں۔

بنی اسرائیل کے اختلافات کا حل

اسی لئے قرآنِ حکیم بالخصوص بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کے اختلافات کے بارے میں اپنی اس حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتا ہے:- اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۲۷/۷۶-۷۸

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل کے بہت سے اختلافی معاملات و مسائل کا حل بتا رہا ہے۔ بیشک اس میں اہلِ ایمان کے لئے کامل راہنمائی اور کامل حفاظت کا سامان موجود ہے۔ بیشک تیرا رب اپنے اس حکم کے ذریعہ اپنا فیصلہ سُنا رہا ہے اور وہ (اللہ تعالیٰ) کامل غلبہ و اقتدار اور کامل علم و حکمت کا مالک ہے۔

لمحۂ فکریہ

ماقبل بحث سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ قرآنِ حکیم نے کس طرح اپنے آپ کو تمام تہذیبی و تمدنی مسائل و مشکلات کا حل قرار دیا ہے اور کس طرح اس نے اپنے سے قبل کی تمام

رسالتوں اور تمام اُمتوں کے ہاں پائے جانے والے اختلافات و تضادات کے لئے اپنے آپ کو حَکَم، خدا کا ترجمان اور فیصل* قرار دیا ہے۔ اور کس طرح قرآنِ حکیم نے اپنے آپ کو (بالخصوص یہود و نصاریٰ کے ہاں پائے جانے والے جھگڑوں اور تنازعوں کا قاضی اور حَکَم قرار دیا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ جو کتاب اللہ ماضی میں اُٹھنے والے ہر سوال کا جواب، ہر مشکل کا حل اور ہر تنازع کے لئے قاضی اور حَکَم ہے۔ وہ کتاب خدا کیا اب اپنے ماننے والوں کے اختلافات کا کوئی حل نہیں بتا سکتی؟ اور اس کے ماننے والوں کے ہاں فکر و نظر کی جو پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اور عقیدہ و عمل کی جو کجیاں اور گمراہیاں جنم لے چکی ہیں کیا انہیں یہ کتاب اللہ حل نہیں کر سکتی؟ کیا ان مشکلات کا (کم از کم) علمی و نظری تصفیہ نہیں کر سکتی؟ حیران کن بات یہ ہے کہ جو کتاب دنیا جہان کی مشکلات کا اپنے آپ کو حل بتلائے وہ اپنے ماننے والوں کی، ان کی مشکلوں اور گمراہیوں میں کوئی مدد نہ کر سکے۔ ایسا طرزِ عمل اس بات کا اظہار ہے کہ کتاب کے ماننے والوں کے اندر سے اس پر سے یقین و اعتماد ختم ہو چکا ہے اور انہوں نے اسے مہجور بنا رکھا ہے۔ (جاری)

نفسیاتی امراض کا تریاق

جس طرح انسان طبعی و جسمانی طور پر امراض و اسقام کا شکار ہو کر اپنا اعتدال و توازن کھو بیٹھتا ہے اور اس طرح اس کے اعضاء و جوارح کے افعال و اعمال اپنے حقیقی مقام و مرتبہ سے گر جاتے ہیں، اسی طرح اخلاقی اور نفسیاتی اعتبار سے بھی انسان مریض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اخلاقی و نفسیاتی طور پر توازن و تسویہ اور اعتدال و قوام کھو بیٹھے تو اس کا وجود انسانی معاشرہ کے لئے جسمانی و طبعی طور پر مریض انسانوں سے

* فیصلہ کرنے والا

Marfat.com

زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ جس معاشرہ کے اخلاق و ایمان کی جڑیں خشک ہو جاتی ہیں، یا ایمان و اخلاق کی نبض اپنی حرکت بند کر دیتی ہے یا ایمان و اخلاق کے اعضاءِ شریفہ اور اعضاءِ رئیسہ اپنی فعلیت چھوڑ دیتے ہیں وہ معاشرہ زندہ نظر آنے کے باوجود مردہ ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان، قرآنِ حکیم کے نزدیک، نفسیاتی امراض میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور ایسا نفسیاتی مریض تدبّر بھی کرے، تو اس کا یہ تدبّر بھی حالتِ مرض میں اور اضافہ کا سبب بن جاتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ ۲/۱۰

ان کے دل و دماغ مریض ہیں

اور اس مریض دل و دماغ کے ساتھ جتنا بھی یہ لوگ آگے بڑھتے ہیں اتنا ہی ان کے اس مرض میں، افاقہ ہونے کی بجائے اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ ۲/۱۰

پس اللہ تعالیٰ اپنے قوانینِ مشیت کے مطابق ان کے امراض میں اضافہ کر دیتا ہے۔

ایسے مریض قلوب و اذہان کی صحت اور شفایابی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مکمل شفا ہے ——

ارشادِ ربّانی ہے:۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۵۷/۱۰

اے تمام انسانو! بیشک تمہاری نشو و نما کرنے والے، خدا کی جانب سے تمہارے پاس خیر خواہی و غمخواری کے سامان کے طور پر اور تمہارے دلوں اور دماغوں کے تمام بگاڑوں، فسادوں اور مرضوں کے علاج کے طور پر شفاءِ کامل آگئی۔ بیشک اس نسخۂ شفاء کو جو لوگ برتنا چاہیں

Marfat.com

گے ان کے لیے اس کتابِ خدا میں مکمل ہدایت موجود ہیں۔ اور اہلِ ایمان کے لیے اس میں صحتِ دل و دماغ اور اس صحت کی حفاظت و حفظان کا مکمل سامان موجود ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں بعض باتیں بڑی ہی غور طلب ہیں۔

۱۔ موعظہ اور شفا کے اوصاف کے اعلان کو یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کے حوالے سے پیش فرمایا ہے۔ گویا کہ اب تمام انسانوں کے امراض و اسقام کا تریاق صرف اس کتاب اللہ (القرآن) کے پاس ہے۔ کتاب اللہ (القرآن) کا یہی وہ دعویٰ ہے جو اسے ماقبل نزول پذیر ہونے والی تمام کتابوں سے ایک الگ مقام اور ایک امتیازی مرتبہ کا مالک بناتا ہے۔ یعنی اس کتاب اللہ میں تمام انسانیت کے جملہ اخلاقی و نفسیاتی روگوں اور مرضوں کا مکمل تریاق ہے۔

۲۔ تمام نوعِ انسانی کے لئے اپنے آپ کو موعظہ و شفاء کے حوالے سے اعلان کرنے کے بعد اپنے مومنین کے لئے اپنے ہدایت و رحمت کے پہلوؤں کو اجاگر فرمایا ہے۔ گویا مومن تو ہوتا ہی وہ ہے جو نفسیاتی و اخلاقی بدترین کے عیوب و امراض سے شفایاب ہو چکا ہو۔ گویا اخلاقی و نفسیاتی امراض —— ایمان کے ساتھ بے جوڑ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے منافقین کو دل و دماغ کے مریض قرار دیا ہے اور ان کے بارے میں اس حقیقت کو ایک سے زائد مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے صرف ایک مقام پیشِ خدمت ہے۔ سورۃ میں اہل ایمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب انہیں احکام الٰہیہ اور فرامین شاہی سے آگاہی ہوتی ہے تو وہ فوراً ان کی تعمیل میں مصروف ہو جاتے ہیں اگرچہ یہ احکام نہایت سخت ہی کیوں نہ ہوں اور اگرچہ انہیں اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے میدانِ قتال ہی کی طرف کیوں بلایا جا رہا ہو، وہ بغیر کسی تذبذب اور نفسیاتی اضطراب کے فوراً تعمیلِ ارشاد کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔

یہ بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۹/۱۲۵

لیکن وہ لوگ جن کے دل و دماغ پر نفسیاتی و اخلاقی امراض کا غلبہ ہوتا ہے، جب انہیں احکامِ الٰہیہ کی تعمیل کے لئے بلاوا آتا ہے، جب میدانِ قتال میں چلنے کو کہا جاتا ہے۔ تو اُن پر اُنکی زمین پیوستگی کی عادت کی وجہ سے مُردنی چھا جاتی ہے اور انہیں اس حالت میں موت آتی ہے کہ وُہ کافر ہوتے ہیں۔

گویا کفر و نفاق، نفسیاتی و اخلاقی امراض ہیں۔ ان کا علاج اور ان کے لئے کامل شفاء اگر ہے، تو صرف کتاب اللہ (القرآن) اور مومن تو صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو ابتدائی درجہ ہی میں اپنے آپ کو ان تمام عیوب و امراض سے پاک کر لیتے ہیں یا ان میں اپنے آپ کو ملوّث ہی نہیں ہونے دیتے

اہلِ تقویٰ کے لئے فرقان

قرآن حکیم اپنی ہدایت کے مدارج کا خود ہی ذکر کرتا ہے، کہیں یہ هُدًى لِّلنَّاسِ ۲/۱۸۵ یعنی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہدایت نامہ ہونے کا اعلان کرتا ہے اور کہیں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۲/۲ یعنی اپنے اندر توازن و تناسب پیدا کرنے والوں کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے اور جب توازن و تناسب پیدا کر لیں اور پھر ان اہلِ تقویٰ میں مزید حسن و جمال پیدا کرنے کے لئے انہیں مقامِ احسان پر فائز ہونے کی راہنمائی و ہدایت عطا کرتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے :-

الٓمّٓ - تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ - هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۳۱/۱-۳

الم - یہ حکمت سے بھری ہوئی کتابِ آئین کی آیات ہیں۔ یہ کتاب

آئین اہلِ احسان کے لئے ضابطۂ ہدایت اور سامانِ حفاظت و نشو و نما ہے۔

پھر قرآن حکیم ان اہلِ ایمان و تقویٰ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا ۲۵/۸

اے اہلِ ایمان اگر تمہارے اندر صفت تقویٰ راسخ ہو گئی اور متقین کے اوصاف تم میں پختہ ہو گئے تو اس کے نتیجہ میں تمہارے اندر ایک نمایاں اور ممتاز انفرادیت پیدا ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں تمہیں ایک نور حاصل ہو گا۔

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ ۵۷/۲۸

"اے دعوی ایمان کرنے والو تم صحیح معنی میں متقی بن جاؤ اور اللہ کے رسولؐ پر صحیح معنی میں ایمان لے آؤ۔ اس طرح تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے ہاں سے دوگنے اجر رحمت سے نوازیں گے اور تمہارے لئے ایک ایسا نور پیدا فرما دیں گے جس کے سایوں میں تم چلو گے۔" پھر اس طرح تقویٰ سے جو فقاہت اور نورانیت حاصل ہو گی وہ اہلِ تقویٰ کی پوری زندگیوں پر محیط ہو جائے گی اور اس طرح ان کی یہ زندگیاں ان اہلِ فسق و فجور سے ہر پہلو میں نمایاں ہوں گی جن کی زندگیوں پر سیئات کا غلبہ ہوتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاھُمْ وَمَمَاتُھُمْ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۴۵/۲۱

Marfat.com

کیا وہ لوگ جو شب و روز سیئات کا ارتکاب کرتے ہیں یہ خیال
کرتے ہیں کہ ہم انہیں اور ان اہلِ ایمان کو جو صلاحیت بخش
کام کرتے ہیں (یعنی جو اہلِ تقویٰ اور اہلِ ایقان ہیں ۴۵/۱۹، ۴۵/۲۰)
ایک سا رہنے دیں گے۔ ان دونوں گروہوں کی زندگی اور موت
ایک سی ہوگی؟ یہ سوچنا اور ایسا فیصلہ کرنا انتہائی طور پر بُرا ہے یعنی
ان اہلِ ایمان کی زندگیاں غلبہ و نصرتِ خداوندی کی مظہر ہوں گی
جیسا کہ اہلِ ایمان کو رحمان کا وعدہ ہے:۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۳/۱۳۹

اے اہلِ ایمان تم بُزدل نہ بنو۔ خوف نہ کھاؤ اور (یہ بات ہمیشہ یاد
رکھو کہ) تمہیں بلند و برتر رہو گے اور علو و بلندی اُس وقت تک
تمہیں حاصل رہے گی جب تک تمہارے اندر یہ ایمان
موجود رہے گا۔

گویا کہ مومنینِ قرآن کو اسی حیاتِ دنیا میں غلبہ و اقتدارِ کامل بجانا اٹل ہے اور اولیاء اللہ
کا اسی دنیا میں لاحزن و لاخوف کے مقام پر فائز ہو جانا یقینی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ الَّذِينَ آمَنُوا
وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۔ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ
لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۱۰/۶۲-۶۳-۶۴

خبردار ہو جاؤ، باخبر و ہوشیار رہو۔ اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر خوف مسلط نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی وہ مبتلائے
حزن ہوا کرتے ہیں۔ یعنی وہ تمام لوگ جو اللہ پر ایمان لا کر اس کے قوانین کی نگہداشت کرتے ہیں۔ ایسے
اولیاء اللہ کو اسی حیاتِ دنیا میں بشارات ملتی ہیں اور آخرت میں بھی یہ اللہ تعالیٰ کا ایک محکم قانون اور
پکا وعدہ ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی یا وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اہلِ ایمان و اہلِ تقویٰ پر ناکامی و
نامرادی صدیوں تک مسلط رہے یہ اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کی رُو سے ناممکن ہے۔

larfat.com

عقل و تدبّر

ایمان و تقویٰ کا دعویٰ بھی ہو اور پھر ذلّت و مسکنت اور کافروں کا رعب و دبدبہ ان پر مسلسل مسلط رہے یہ دونوں باتیں انتہائی طور پر بے ربط اور بے جوڑ ہیں۔ ایسے انتشار کا ہمارے ہاں اجتماع اس لئے ہو گیا کہ ہم نے عقل و تدبّر سے کام لینا چھوڑ دیا اور جب کوئی قوم عقل سے کام لینا چھوڑ دیتی ہے تو وہ قرآن کی رو سے ناپاک ہو جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (۱۰/۱۰۰) "اللہ تعالیٰ غلاظت و ناپاکی پھر اس قوم اور ملت پر مسلط کر دیتے ہیں جو عقل سے کام لینا چھوڑ دیتی ہے" اس کی دوسری وجہ اللہ کی کتاب میں تدبّر کرنے کو ترک کر دینا ہے۔ حالانکہ تدبّر کرنا نزول قرآن کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین مقصد ہے۔ لیکن تدبّر کرنا کسے کہتے ہیں اور اس سے مقصود کیا ہے، یہ خود ایک الگ موضوع ہے لیکن اتنا ضرور سمجھئے کہ تدبّر کا معنی ہے کہ کوئی چیز جن ابتدائی مراحل سے گزر کر تکمیل و انتہا تک پہنچی ہے ان سب پر خصوصی نگاہ ڈالنا اور اس طرح اس چیز کے ارتقاء و حوادث میں کارفرما عوامل و اسباب کو واضح کرتے ہیں لاؤ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو نظر آنے لگتا ہے کہ تدبّر کتنا کس قدر کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس پر بہت زور دیا ہے اور تدبّر کے ترک و انکار کو نفاق و ارتداد کے اسباب میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے (۴۷/۲۴-۲۵) اور اس تدبّر فی القرآن کو اللہ تعالیٰ نے عدم اختلاف فی القرآن کے لئے بطور کلیہ و بطور راہنما اصول متعین فرمایا ہے۔ دیکھئے (۴/۸۲) اسی تدبّر کے مقام و مرتبہ کی وضاحت اور اس کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے (۳۸/۲۹) میں قرآن اسے اپنے مقاصد نزول میں سے ایک بہت بڑا مقصد قرار دیتا ہے۔ اور ارشاد ربانی ہے:

كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا ءَايَٰتِهِ (۳۸/۲۹)

یہ وہ بابرکت کتاب ہے جسے (اے رسول ﷺ) ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور یہ بابرکت کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور اس کے بیان سے

Marfat.com

والے لوگ اس کی آیات پر تدبّر کریں۔ اس آیتِ جلیلہ سے معلوم ہوا:۔

نمبر ۱:۔ اس قرآنِ حکیم کا بابرکت کتاب ہونا تبھی سمجھ میں آئے گا جب اس پر تدبّر کیا جائے گا۔

نمبر ۲:۔ تدبّر کرنا اس کتاب کے مقاصدِ نزول میں سے ہے۔ لہٰذا تدبّر کا انکار دراصل اس کے نزول کے مقاصد کا انکار ہے۔ اور اس کتاب کو بے کار اور مہمل ٹھہرانے کے مترادف۔

نمبر ۳:۔ قرآنِ حکیم کی تمام کی تمام آیات پر تدبّر کی دعوت دی گئی ہے۔ لہٰذا اس کی بعض آیات کو متشابہات (شُبہ والی) ٹھہرا کر انہیں تدبّر کی فہرست سے خارج کرنا صحیح نہیں ہے

نمبر ۴:۔ تدبّرِ قرآن کا فریضہ ان تمام لوگوں پر ہے جن سے قرآن مخاطب ہے۔ (قرآن ہر انسان سے قیامت تک مخاطب ہے) اور بالخصوص یہ اُن لوگوں کا فرض ہے جو قرآن پر ایمان لائے ہیں۔ خواہ وہ اہلِ ایمان کسی بھی خطّۂ زمین پر، کسی بھی زمانے میں کیوں نہ رہ رہے ہوں۔ تدبّر تمام اہلِ ایمان پر رحمٰن کی جانب سے فرض ہے۔ اس میں امام و مقتدی، قرونِ اولیٰ اور قرونِ متاخرہ کا فرق و امتیاز ناروا ہے تدبّر کسی خاص گروہ کا استحقاق اور فریضہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ کسی خاص دَور کے لوگوں سے مخصوص ہے۔ کتاب اللہ جب تک ہم میں ہے اس پر تدبّر ہمارا فریضہ ہے۔ اور کتاب اللہ نے خُود اپنے مقاصدِ نزول میں اسے ضروری ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ کیا وہ اس خدائی فریضہ سے عہدہ برآ ہو رہا ہے یا نہیں۔

انذار (آگاہی و بیداری)

قرآنِ حکیم نے اپنے مقاصدِ نزول میں انذار کو بھی بڑی اہمیت دی ہے، اور

Marfat.com

قرآن حکیم میں آنحضورؐ کی زبان سے اللہ تبارک و تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے :۔

أُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۶/۱۹

میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ میں تمہیں بھی آگاہ و بیدار کروں اور انہیں بھی بیدار کروں جن جن تک یہ قرآن پہنچے ۔

معلوم ہوا کہ نزولِ قرآن کا مقصد آگاہ و خبردار کرنا ہے ۔ انذار کا معنیٰ ہے خطرات و نقصانات سے آگاہ کرنا ، کھڈ اور کھائیوں میں گرنے سے بچنے کی تلقین کرنا ، دورانِ سفر جو راہزن بیٹھے ہوئے ہوں ، ان کی راہزنی اور لوٹ کھسوٹ سے قبل از وقت خبردار کرنا ، رہزن جن جن طریقوں سے خلقِ خدا کو بے راہ کرنا چاہتے ہیں (کہ کارواں اُن کی چالوں میں آکر اپنی منزل کو چھوڑ کر اُن کے پیچھے چل نکلے اور اس طرح اُن کے چنگل میں پھنس کر اپنا تمام ساز و سامان اور تمام متاعِ حیات اُن کے ہاتھوں گنوا بیٹھے) ان سب چیزوں سے قبل از وقت خبردار کرنا انذار کہلاتا ہے ۔ گویا قرآن حکیم اہلِ ایمان کو ایک ایسا قافلہ سمجھتا ہے جو ایک ایسی منزل کی جانب رواں دواں ہے ، جس کے راستے میں انسان کا اپنا نفسِ امارہ اور اُس کی عقلِ حیلہ جو اسے قدم قدم پہ غلط راستے پر ڈالنے کے لیے گھات میں لگے رہتے ہیں ۔ نفسِ امارہ خارجی ماحول و معاشرہ میں پائے جانے والے ، خاندانی و ملکی ، معاشرتی و سیاسی ، قومی و بین الاقوامی روابط و تعلقات کو اس کے سامنے اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ اُن کی ترغیبات و ترہیبات میں پڑ کر انسان اپنی منزل کھو کر بیٹھتا ہے ۔ ان تمام خطرات سے آگاہی بخشنے اور راستے کی مشکلات اور رکاوٹوں کا قبل از وقت علم عطا کرنے کے لئے قرآن حکیم کا نزول ہوا ہے ۔

انذارِ قرآن کا احاطہ | قرآن حکیم کا فریضۂ انذار صرف عربوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ۶/۱۹ کے الفاظ وَمَن بَلَغَ (ان تمام کو بھی جن جن تک قرآن پہنچے) سے صاف واضح ہے کہ وہ عربی ہوں یا عجمی ، مشرقی ہوں یا مغربی ، گورے ہوں یا کالے ، زندہ ہوں یا آئندہ ، غرض کوئی بھی ہوں

جن جن تک قرآن پہنچ گیا ہے۔ اس کے لئے منذر و نذیر یہی ہے۔ اس فریضۂ انذار و ہدایت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک اور مقام پر قرآن حکیم کا ارشاد یوں ہے :-

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۱۳/۷

بے شک اے رسول محترم آپ تمام اقوام عالم کیلئے منذر و راہنما ہیں۔ یعنی تمام اقوام عالم کو، آپ قرآن حکیم کے ذریعے انذار کرنے کے پابند تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے :-

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۴۲/۷ اے رسول ہم نے آپ کی طرف یہ عربی قرآن اس مقصد کے لئے وحی کیا ہے کہ آپ اس (قرآن) کے ذریعے ام القریٰ اور اس کے اطراف و اکناف میں رہنے والوں کو بیدار کریں۔ فرائض و واجبات سے آگاہی بخشیں اسی طرح ارشاد ہوتا ہے :- نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۷۴/۳۶ یہ قرآن حکیم تمام عالم بشریت کے لئے نذیر و راہ نما ہے۔ گویا کہ قرآن حکیم کا دائرہ اِنذار کسی خاص قوم تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ پورے عالم انسانیت پر اس کا اِنذار محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جو اللہ کے وجود پر برہانِ الٰہی ہے۔ جو صفات و افعالِ خداوندی کے لئے راہ نما ہے۔ انسانی زندگی کی تمام سطحوں اور جہتوں کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے۔ اسے ابدالاباد تک محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے خود عہد کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۵/۹

بے شک یہ ذکر (قرآنِ مجید) ہم ہی نے نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

گویا قرآن حکیم کو محفوظ ہی اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ حجتِ خدا قائم رہے۔ اور کاروانِ انسانیت اس سے آگاہی و خبرداری حاصل کرتا رہے۔

هُدًى لِّلنَّاس

قرآنِ حکیم کا مقصدِ عظیم جملہ نوعِ انسانی کی تمام ضروریات و احتیاجات میں راہ نمائی کرنا ہے پورے عالم انسانیت

کو ان قوانین اور نوامیس سے روشناس کرتا ہے۔ جن کے بغیر وحدتِ انسانیت کا قیام و اجتماع ممکن نہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ هُدًى لِّلنَّاسِ ہے ۲/۱۸۵ یعنی تمام انسانیت کو بلا امتیازِ رنگ و زبان (لون و لسان) اور بلا امتیازِ مکان و زمان اسے ابتدائی منزل سے لے کر آخری منزل تک ہر طرح کی ہدایت عطا کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم کی تعلیم و ہدایت کسی خاص گروہ کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ تو تمام گروہ بندیوں کو ختم کرنے کیلئے نازل ہوا ہے اور اُن میں وحدت پیدا کرنا اس کا اوّلین مقصد ہے

بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ (۲/۱۸۵)

قرآن حکیم اپنے مقاصدِ نزول میں سے ایک مقصد نوعِ انسانی کو ہدایت دینا ٹھہراتا ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اور وہ صرف ہدایت دینا ہی اپنا مقصد قرار نہیں دیتا بلکہ اس ہدایت کے ہدایت ہونے اور اس ہدایت کی نوعِ انسانی کو واقعی نافع و درست ہونے کے لئے دلائل و شواہد بھی مہیا کرتا ہے اور ان دلائل کو بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ یعنی ہدایت کے ہدایت ہونے کے واضح دلائل اور ہدایت ہی کے حوالے سے قرآن دعویٰ کرتا ہے۔

ھدایت اقوم

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ۱۷/۹

یہ قرآن ان قوانین و اقدار اور نظامہائے حیات کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ جو انتہائی طور پر جامع، نافع، محکم، اٹل اور نہ مٹنے والے ہیں، اور جن میں اتنی جان اور صلاحیت ہے کہ وہ کاروانِ انسانیت کے ہر ارتقائی دور اور ہر دور کے نت نئے تقاضوں کا حل اور ان کا جواب ثابت ہوں گے۔ اور ان مضبوط و مستحکم ہدایات و اقدار کو ان کے مقام سے ادل بدل کرنا انسانوں کے لئے ممکن نہیں ہو گا۔

ہدایت سبل السلام (سلامتی کے رستوں کی طرف راہ نمائی)

قرآن حکیم اپنا مقصدِ نزول اور اپنی

غایتِ وجود اس امر کو بھی ٹھہراتا ہے کہ نوعِ انسانی کی ایسے ایسے راستوں کی طرف راہ نمائی کرے گا، جن پر چلنے کے نتیجے میں تمام انسانیت کو امن و سکون اور آرام و سلامتی حاصل ہو گی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :-

یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ۵/۱۶ اللہ تعالےٰ اس قرآن کے ذریعے ان تمام انسانوں کو جو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی اختیار کریں گے سلامتی کے راستوں کی نشاندہی اور راہ نمائی فرماتے رہیں گے۔ آخر الامر سلامتی کے راستے کے یہ مالک اور قرآنی کاروان کے یہ مسافر اس دارالسلام میں جا پہنچیں گے۔ جہاں امن و سلامتی کا ابدی روح پرور نظام رائج ہو گا۔ ارشادِ ربانی ہے :- لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۶/۱۲۷ یعنی ان کی پرورش و نگہداشت کرنے والے خدا کے ہاں سے انہیں بطورِ جزا اعمالِ سلامتی کا گھر ملے گا۔ سلامتی کا گھر، امن و سکون کا شہر، طمانیت و اطمینان کا نظام عطا کرنا اللہ تعالےٰ کا اہلِ ایمان کے ساتھ وعدہ ہے۔ قرآن حکیم کا مقصد انفرادی و اجتماعی، قومی و بین الاقوامی دائروں میں، آغاز میں سلامتی کے راستوں کی نشاندہی کرنا ہے۔ اور جب کوئی قوم یا گروہ مل کر ان تمام راستوں پر چل پڑے تو انہیں اس امن و سلامتی کے گھر تک پہنچانا ہے

اخراج من الظلمات الی النور

قرآن حکیم اپنے سالکوں اور مسافروں کو اس امر کی بھی ضمانت دیتا ہے کہ جب وہ اس کے بتلائے ہوئے لائحہ عمل کے مطابق کام کرنا شروع کر دیں گے تو راستے میں جتنی بھی مشکلات ہوں گی، عقائد و اعمال کی جتنی بھی تاریکیاں ہوں گی وہ خود بخود چھٹ جائیں گی۔ کیونکہ کتاب اللہ خود نور ہے اور نور کے سامنے تاریکی کیسے کھڑی رہ سکتی ہے۔ تاریکی تو اس وقت تک رہتی ہے۔ جب تک نور یا روشنی سامنے نہ آئے۔ جونہی نور روشن ہو جاتا ہے تو تاریکی خود بخود کافور ہو جاتی ہے۔ تاریکی کا اپنا تو کوئی وجود نہیں ہوتا، تاریکی تو علم نور کا دوسرا نام ہے۔ پس جونہی نور آ نکلتا ہے، تاریکی دم دبا کر بھاگ جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے

Marfat.com

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۵/۱۵

بے شک تمہارے پاس ہمارا نور بشکل کتاب مبین آگیا ہے۔ اور

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ - ۵/۱۶

اب اللہ تعالٰے اپنی اس کتاب کے ذریعہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر اپنے نور کی طرف لا رہا ہے اور لاتا رہے گا۔ غور فرمایا تاریکیاں تو بہت ہیں۔ عقائد و اعمال کی بے شمار شاخیں ہیں۔ ہر شاخِ علم و عمل، بگاڑ و فساد کے کئی ایک گوشے رکھتی ہے۔ اور ہر گوشہ جہالت و جاہلیت، تاریکی و ظلمت کی الگ الگ نوعیت ہوتی ہے۔ ان جہالتوں اور تاریکیوں میں سے کتنی ہی کو وہ ختم کر چکا ہے، مگر کتنی ہی ایسی تاریکیاں ابھی باقی ہیں۔ جن سے ابنائے آدم کو اپنے خود ساختہ مفادات کے پیشِ نظر پیار سا ہو گیا ہے اور وہ اپنے اختیارات کے غلط استعمال کی وجہ سے ان تاریک گوشوں تک نورِ قرآن کو پہنچنے سے مزاحم ہو رہے ہیں، رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ مگر قرآن حکیم کا اعلان ہے:۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ
نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۶۱/۸

وہ لوگ اس نورِ قرآن کو اپنے خود ساختہ مفادات کو بچانے کے لئے اپنے شکوک و شبہات کے زور سے بجھانا اور دبانا چاہتے ہیں، اس کے پھیلنے اور پھیلانے کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم ان تمام شبہات اور مزاحمتوں کو ختم کر دیں گے اور ان کو ملیا میٹ کر کے اپنے قرآن کے نور کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔

سدا بہار درخت

قرآن حکیم اپنے مقاصد کے تعین میں اپنی صفات کے تعارف کے سلسلے میں یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ

وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ - تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۱۴/۲۴-۲۵

اللہ اپنے اس قرآن کے کلمۂ طیّب کی مثال اس طیب درخت سے دیتا ہے، جس کی جڑیں پاتال میں اُتری ہوئی ہوں۔ وہ اتنی مضبوط و مستحکم ہوں کہ کوئی طوفانِ باد و باراں انہیں اکھاڑ نہ سکے۔ پھر اس درخت کی جڑوں کو اتنا وافر ذخیرۂ خوراک حاصل ہے کہ جس کے نتیجے میں اس کی شاخیں سرسبز و شاداب ہیں۔ اور انتہائی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ ایسا درخت کہ جڑیں پاتال تک ہیں اور شاخیں آسمانوں تک، اور جہاں تک پھل دینے کا تعلق ہے تو وہ ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی خزاں یا پت جھڑ کا موسم نہیں آتا۔ ہر دور میں اور ہر زمان و مکان میں اس کو پھل لگتا ہے، ہمیشہ پھل دیتے رہنے کی وجہ سے یہ سدا بہار درخت ہے اور یہ ہر زمانے کی سختی و تندی کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اہلِ ایمان کا ثبات و استحکام | قرآنِ حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے مومنین سے ، زمین پر چھا دے گا، اہلِ ایمان کو اس دُنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل ہوگی، ابتدائی ایام میں جو اُن میں کمزوریاں پائی جائیں گی، وہ ایک ایک کرکے اُن سے دُور کر دی جائیں گی۔ ارشادِ ربانی ہے:- يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۱۴/۲۶ - اللہ تعالیٰ اپنے اس قائم و مستحکم قولِ ثابت (قرآن) کے ذریعہ اہلِ ایمان کو اس دُنیا اور آخرت، دونوں جہانوں میں ثبات و استحکام عطا فرمائیں گے۔ اور اُن کے مخالفین کے تمام بے ٹھکانہ اعمال کو اکارت کر دیں گے۔ کتاب اللہ کے اثر و نفوذ کو روکنے والی تمام محنتیں ضائع جائیں گی۔ وہ افراد یا ادارے، حکومتیں اور سلطنتیں جو اس کے پھیلاؤ اور وسعت کو روکنے کی کوششیں کریں گی، وہ خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گی۔ ارشادِ ربانی ہے:-

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۴۷/۱

Marfat.com

وہ لوگ جو کتاب اللہ کا انکار کریں گے اس خدائی دستاویز کے اثر و نفوذ میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے ان مفسدانہ اعمال کو ناکام و نامراد کر دے گا۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو اس کتاب پر ایمان لائیں گے۔ ان کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:-

آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ
عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۴۷ ۲

وہ لوگ جو اس فرمان پر ایمان لائیں گے جو محمد پر نازل ہوا ہے۔ جو عین حقیقت ہے اللہ تعالیٰ ان کی کمزوریوں کو دور فرما دیں گے اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے پہلوؤں کی اصلاح فرما دیں گے۔

قارئین محترم۔

ہم نے نزولِ قرآن کے چند ایک مقاصد آپ کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ آپ نے انہیں کامل توجہ سے پڑھا ہوگا۔ پھر پوری توقع ہے آپ ہمیشہ ان مقاصد کو اپنے سامنے نصب العین کے طور پر رکھیں گے۔ ماقبل صفحات پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ یہ ہر زمان و مکان میں اپنے نتائج و ثمرات پیدا کر سکتا ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم کے اس دعویٰ کو سچا کر دکھانا ہمارے ایمان بالقرآن کا لازمی تقاضا ہے۔ ایسا کر دکھانے سے ہمیں ایسا تمکن فی الارض حاصل ہوگا جس کے نتیجہ میں ہمارا خوف و حزن ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اور بقول حضرت قائد اعظم ہماری کشتی بھنور سے نکل کر منزل پر جا لگے گی۔ آپ نے اجلاس کراچی میں خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

"وہ کونسا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں، وہ کونسی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت استوار ہے، وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے۔ پھر اس سوال کا خود ہی جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔ ایک خدا۔ ایک کتاب، ایک رسول۔ لہٰذا ایک قوم۔" (از تقاریر جناح جلد دوم ...)

والسلام   خدا تمہارے ساتھ ہو   قاضی محمد کفایت اللہ ایم۔اے

حکیم الاُمّت علّامہ اقبالؒ

قیامِ پاکستان کی نہایت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے تاریخی

خطبۂ الٰہ آباد میں ارشاد فرماتے ہیں

I THEREFORE DEMAND THE FORMATION OF A CONSOLIDATED MUSLIM STATE IN THE BEST INTERESTS OF INDIA AND ISLAM. FOR INDIA IT MEANS SECURITY AND PEACE RESULTING FROM AN INTERNAL BALANCE OF POWER; FOR ISLAM AN OPPOOR-—TUNITY TO RID ITSELF OF THE STAMP THAT ARABIAN IMPERIALISM WAS FORCED TO GIVE IT, TO MOBILIZE ITS LAW, ITS EDUCATION, ITS CULTURE, AND TO BRING THEM INTO CLOSER CONTACT WITH ITS OWN ORIGINAL SPIRIT AND WITH THE SPIRIT OF MODERN TIMES.

(THOUGHTS AND REFLECTIONS OF IQBAL - P. 173)

مفہوم "میں نے جس مستحکم و خود مرتکز مسلم ریاست کا تصور پیش کیا ہے یہ اسلام اور ہندوستان دونوں کے حق میں فائدہ بخش ہے۔ ہندوستان کو اس سے وہ تحفظ اور امن حاصل ہوگا جو داخلی قوت کے توازن سے پیدا ہوگا۔ اور اسلام کو بھی اس سے یہ موقعہ ملے گا کہ وہ اپنے آپکو عرب شہنشاہیت کی چھاپ سے آزاد کر سکے گا (جو بدقسمتی سے ماضی میں اس پر لگ چکی ہے) اسطرح اسلام اپنے نظامِ قانون، نظامِ تعلیم اور نظریۂ تمدن و ثقافت کو حرکت میں لا سکے گا۔ اور وہ ان سب کو اپنی اصلی و حقیقی روح (روحِ قرآن) کے قریب لے آئیگا اور اس طرح وہ انہیں عصرِ جدید کی روح کے بھی قریب تر کر سکیگا۔"

Marfat.com

روشنی کے مینار